ماہنامہ
بچوں کے اسلامی و اخلاقی ادب کا ترجمان
مسلمان بچے
®
لاہور
پاکستان
228
www.musalmanbachay.com
صفر ۱۴۴۸ / اگست 2026
موبائل سانپ
کہانی ایک بہترین شوق اور کھیل کی
1
2
3
4
بالآخر وہ جیت گیا
FIRST POSITION
اس کے علاوہ
غزہ کہانی
فقہ کہانی، حدیث کہانی، راز سربستہ
ڈھیروں دلچسپ کہانیوں سے مزین
رنگا رنگ شمارہ
راکھ سے روشنی تک

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ مسلمان بچے لاہور پاکستان

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

صفر ۱۴۴۸ھ بمطابق اگست 2026ء

جلد: 20
شمارہ: 2
سالانہ زرتعاون =/840 روپے
قیمت فی شمارہ: 70 روپے

بچوں کے
اسلامی.. اخلاقی.. تعلیمی اور تربیتی ادب کا ترجمان

اپنی کہانیاں، مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور

ترسیلِ رقم اور حصولِ رسالہ کیلئے:

مکتبہ ابنِ مبارک

37۔حق سٹریٹ
اردو بازار۔لاہور

موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں

بالآخر وہ جیت گیا	محمد حذیفہ سلیم	10
کتب کا مطالعہ	بنت اسامہ	22
سچا دوست	محمد حارث	26
راز سربستہ	ابو شفاء	30
کنویں کا راز	عمار حسین	43
عربی گھوڑے	بنت کلثوم	47
طلب علم کی عظیم داستان	عافیہ حفیظ	57
خوفناک جیل	مولانا مقصود احمد شہیدؒ	70
خوش قسمتی	خالہ رملہ	74
حضرت ٹیپو سلطان شہیدؒ	عبدالحفیظ امیر پوری	77
سچے سپاہی	ہمشیرہ محمد احمد	82
نیا دوست	محمد مستقیم	86
بوجھ بجھکڑ	ادارہ	91
خطوط	ادارہ	93

اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔

فرمان باری تعالیٰ

"پھر جب عزت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کردو اور پکڑو اور انہیں گھیر لو اور ان کی تاک میں ہر جگہ بیٹھو پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیدو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنیں پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو یہ اس لیے ہے کہ وہ لوگ بے سمجھ ہیں۔" (توبہ،۵،۶)

حمد باری تعالیٰ

وجود اس کا ہے مشک وگلاب سے ظاہر
یہ جگمگائے ہوئے ماہتاب سے ظاہر

جو اس کے حکم سے روشن ازل سے ہے اب تک
حریفِ ظلمتِ شب، آفتاب سے ظاہر

نسیم، برق، شرر، بادِ تند، قوسِ قزح
شفق، نجوم، خلا وسراب سے ظاہر

بہشت و دوزخ و قہر و جلال، حور و ملک
جزا، سزا وثواب و عذاب سے ظاہر

منی و علقہ ومضغہ کی پرورش سے عیاں
ضعیفی، طفلی وعہدِ شباب سے ظاہر

ہر ایک لفظ میں کونین جذب ہے جس کے
اسی مقدس و اطہر کتاب سے ظاہر

یقین آئے نہ ان پر تو ہوگا وہ ساحل
بروزِ حشر حساب وکتاب سے ظاہر

فرمان رسول اکرم ﷺ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے "حرم" ہونے کا اعلان کیا تھا اور میں مدینہ کے "حرم" قرار دیے جانے کا اعلان کرتا ہوں، اس کے دونوں طرف کے درّوں کے درمیان پورا رقبہ واجب الاحترام ہے، اس میں خونریزی نہ کی جائے، کسی کے خلاف ہتھیار نہ اٹھایا جائے اور جانوروں کے چارے کی ضرورت کے سوا درختوں کے پتے بھی نہ جھاڑے جائیں۔ (صحیح مسلم)

نعت رسول مقبول ﷺ

نازاں ہے جس پہ حسن وہ حسنِ رسول ﷺ ہے
یہ کہکشاں تو آپ ﷺ کے قدموں کی دھول ہے

اے رہروانِ شوق! یہاں سر کے بل چلو
طیبہ کے راستے کا تو کانٹا بھی پھول ہے

ہر اک قدم پہ اس میں ضروری ہے احتیاط
عشقِ بتاں نہیں ہے یہ عشقِ رسول ﷺ ہے

زاہد! خیال پیروی مصطفی ﷺ رہے
پھر اس کے بعد تیری عبادت قبول ہے

منبر ہو یا کہ دار نہ جائے گی یادِ یار
اے دل! یہ اہلِ عشق وفا کا اصول ہے

باطل کے سامنے نہ جھکاؤں گا سر کبھی
میری نظر میں اسوۂ ابن بتول ہے

اس پر نزولِ رحمتِ پروردگار ہو!
کوثر فراق دوست میں جو دل ملول ہے

ایک دُعاء یاد کیجئے

یَا رَبِّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِی لِجَلَالِ
وَجْهِكَ وَلِعَظِيمِ سُلْطَانِكَ

ترجمہ: اے میرے رب! میں آپ کی تعریف کرتا ہوں جیسے
آپ کی ذات کی جلالتِ شان اور آپ کی عظیم سلطنت کے لائق ہے۔

ایک حدیث یاد کیجئے

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ
زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا
وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کر دیا تھا، اب
(اجازت دیتا ہوں کہ) تم قبروں کی زیارت کرلیا کرو، کیونکہ (اس کا یہ فائدہ ہے کہ)
اس سے دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی یاد اور فکر پیدا ہوتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

کارواں

قدم قدم پہ روش روش پہ
جہاد کے پھول کھل رہے ہیں
مجاہدوں کے جو کارواں ہیں
سب آ کے آپس میں مل رہے ہیں

بہارِ تازہ کے ولولوں سے
حیاتِ نو کی نوید سن کر
خزاں رسیدہ گلوں کے دیکھو
وہ چاکِ داماں بھی سل رہے ہیں

کہیں پہ تکبیر کے ہیں نعرے
کہیں پہ جذبوں کی گھن گرج ہے
جو اہل باطل کے قصر و ایواں ہیں
وہ بھی جھٹکوں سے ہل رہے ہیں

خوشی کی لہریں ہیں ان کے
چہروں پہ حریت کا پیام سن کر
وہ نخل جو کہ شکارِ طوقِ
اسیریٔ آب و گل رہے ہیں

نظام گردش بتا رہا ہے
جہاد کی برکتوں سے انورؔ
کبھی جو نالاں تھے ہم سے
فطرت کے وہ عناصر بہل رہے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم

پیارے بچو! اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہمارے لیے بے شمار نعمتیں پیدا کی ہیں۔ انہی میں سے ایک عظیم نعمت ”پانی“ ہے۔ یہی پانی ہماری پیاس بجھاتا ہے، زمین کو سرسبز کرتا ہے، ہمیں پاکیزگی عطا کرتا ہے اور اگر ہم چاہیں تو یہی پانی ہمیں طاقتور، چست اور صحت مند بھی بنا سکتا ہے۔ کیسے؟ تیراکی (سوئمنگ) کے ذریعے!

کیا آپ نے کبھی کسی مچھلی کو پانی میں تیرتے دیکھا ہے؟ وہ کتنی آسانی، کتنی پھرتی اور کتنی خوبصورتی سے پانی میں سفر کرتی ہے۔ اگرچہ انسان مچھلی نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے بھی یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ تیراکی سیکھ کر پانی میں تیر سکے اور یہ اس کے لیے بہترین ورزش بھی ہے۔ اسلام ہمیں ایک صحت مند، مضبوط اور باکردار انسان بننے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے طاقتور مومن کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب قرار دیا۔

اگر جسم کمزور ہو تو کھیلنا مشکل، پڑھنا مشکل، عبادت میں دل لگانا مشکل اور دوسروں کی خدمت کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن جب جسم مضبوط ہو، دل خوش ہو اور طبیعت میں تازگی ہو تو ہر کام آسان لگتا ہے۔ بدقسمتی سے آج کا دور ایسی مصروفیات کا دور ہے جنہوں نے بچوں اور نوجوانوں کو جسمانی سرگرمیوں سے بہت دور کر دیا ہے۔ گھنٹوں موبائل فون، ویڈیو گیمز، سوشل میڈیا اور کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے رہنے سے جسم کمزور ہوتا جا رہا ہے، نظر متاثر ہو رہی ہے، موٹاپا بڑھ رہا ہے اور قوتِ مدافعت میں کمی آ رہی ہے۔

اسلام نے چند ایسی جسمانی سرگرمیوں کی خصوصی ترغیب دی ہے جو انسان کی شخصیت کو

مضبوط بناتی ہیں۔ان میں تیر اندازی، گھڑسواری اور تیراکی کو نمایاں مقام حاصل ہے۔

تیراکی دنیا کی ان چند ورزشوں میں شامل ہے جس میں تقریباً پورا جسم ایک ساتھ حرکت کرتا ہے۔ ہاتھ، پاؤں، کندھے، کمر، گردن، سینہ اور سانس لینے کا نظام سب ایک مربوط انداز میں کام کرتے ہیں۔صرف جسم ہی نہیں، ذہن بھی تیراکی سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ پانی میں ورزش کرنے سے ذہنی دباؤ کم ہوتا ہے، طبیعت میں تازگی پیدا ہوتی ہے، یکسوئی بڑھتی ہے اور انسان خود کو زیادہ پُرسکون محسوس کرتا ہے۔

آج ایک وعدہ کریں!

روزانہ کچھ وقت جسمانی سرگرمی کے لیے نکالیں گے۔ دوڑیں گے، ورزش کریں گے، اور تیراکی، تیر اندازی، گھڑسواری ضرور سیکھیں گے اور ایک مضبوط اور قوی مومن بنیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں مضبوط ایمان، صحت مند جسم، صالح کردار اور ایسی زندگی عطا فرمائے جس میں ہم اپنی تمام صلاحیتوں کو اس کی رضا کے مطابق استعمال کرسکیں۔

آمین یارب العالمین!

ابو محمد عروہ

بالآخر وہ جیت گیا

محمد حذیفہ سلیم

عمر بارہ سال کا ایک ذہین، خوش اخلاق اور جستجو کرنے والا بچہ تھا۔ اسے نئی نئی چیزیں سیکھنے کا بہت شوق تھا۔

وہ اپنے اسکول کی لائبریری سے مختلف کتابیں لے کر پڑھتا اور اپنے والد سے نت نئے سوالات پوچھتا رہتا تھا۔ کھیلوں سے بھی اسے دلچسپی تھی، لیکن ایک کھیل ایسا تھا جو اسے سب سے زیادہ پسند تھا'' تیراکی''

جب بھی وہ ٹیلی ویژن پر تیراکوں کو پانی میں برق رفتاری سے تیرتے دیکھتا تو اس کی آنکھوں میں چمک آجاتی۔ اسے حیرت ہوتی کہ آخر لوگ پانی پر اتنے اعتماد سے کیسے تیر لیتے ہیں۔ وہ بھی دل ہی دل میں خواہش کرتا کہ ایک دن وہ بہترین تیراک بنے۔

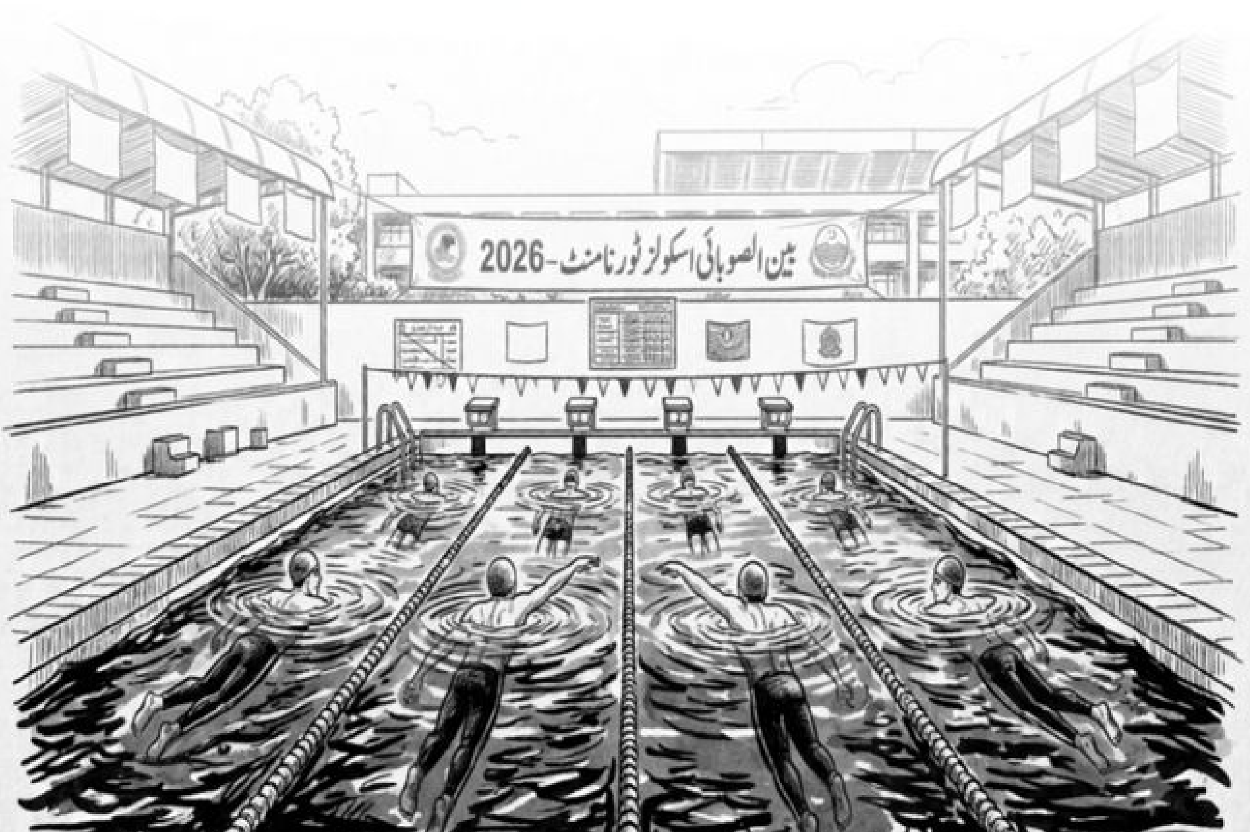

لیکن اس خواہش کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ تھی۔

عمر کو پانی سے خوف آتا تھا۔

اگر چہ وہ نہانے دھونے اور کم گہرے پانی میں جانے سے نہیں ڈرتا تھا لیکن جیسے ہی وہ کسی تالاب، نہر یا سوئمنگ پول کا گہرا حصہ دیکھتا تو اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگتا۔ اسے یوں محسوس ہوتا جیسے پانی اسے اپنی طرف کھینچ لے گا۔

ایک دن اسکول کی اسمبلی میں کھیلوں کے استاد نے صحت اور ورزش کی اہمیت پر گفتگو کی۔ انہوں نے مختلف کھیلوں کا ذکر کرتے ہوئے تیراکی کے بارے میں بتایا:

''بچو! تیراکی صرف ایک کھیل نہیں بلکہ ایک اہم زندگی کی مہارت بھی ہے۔ اس سے جسم مضبوط ہوتا ہے، دل اور پھیپھڑے طاقتور بنتے ہیں اور انسان مشکل حالات میں اپنی جان بچانے کے قابل بھی ہو جاتا ہے۔''

پھر انہوں نے ایک اور بات کہی جو عمر کے دل میں اتر گئی۔

''اسلام بھی مسلمانوں کو جسمانی قوت حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ایک مسلمان کو کمزور نہیں بلکہ طاقتور ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریاں بہتر انداز میں ادا کر سکے۔''

گھر واپس آتے ہوئے عمر اسی بات کے بارے میں سوچتا رہا۔ رات کو اس نے اپنے والد سے پوچھا:

''ابو! کیا اسلام میں تیراکی سیکھنے کی کوئی اہمیت ہے؟''

''بیٹا! اسلام ہمیں جسمانی اور روحانی دونوں اعتبار سے مضبوط بنانا چاہتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ تیراکی، گھڑسواری اور تیر اندازی جیسی مہارتیں انسان کو مضبوط اور بااعتماد بناتی ہیں۔'' والد صاحب مسکرائے۔

پھر انہوں نے قرآنِ مجید کی ایک آیت سنائی:

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ

(اور ان کے مقابلے کے لیے جہاں تک ہو سکے، قوت تیار رکھو)

والد صاحب نے سمجھایا:

"قوت صرف ہتھیاروں کا نام نہیں۔ مضبوط جسم، اچھی صحت، مہارت اور ہمت بھی قوت کا حصہ ہیں۔"

یہ بات عمر کے دل میں بیٹھ گئی۔

اسی رات اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ تیراکی سیکھے گا۔

چند دن بعد اس کے والد نے اسے ایک سوئمنگ اکیڈمی میں داخل کرا دیا۔

پہلا دن آیا تو عمر بہت پرجوش تھا، لیکن جیسے ہی اس نے سوئمنگ پول دیکھا، اس کا سارا جوش کم ہونے لگا۔

نیلے پانی کی گہرائی اسے خوف زدہ کر رہی تھی۔

کوچ صاحب نے تمام بچوں کو پانی کے کنارے جمع کیا اور بنیادی ہدایات دینا شروع کیں۔

کچھ ہی دیر بعد بچوں کو پانی میں اترنے کا کہا گیا۔

ایک ایک کر کے تمام بچے پانی میں اتر گئے۔

عمر نے بھی ہمت کی۔

اس نے پانی میں قدم رکھا، مگر اچانک اس کے دل میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس کا توازن بگڑا اور وہ گھبرا گیا۔

کوچ نے فوراً اسے سنبھال لیا۔

کچھ بچے ہنسنے لگے۔

عمر کا چہرہ شرمندگی سے سرخ ہو گیا۔

اسے لگا کہ شاید تیراکی اس کے بس کی بات نہیں۔

گھر واپس آ کر وہ خاموش ہو گیا۔

والدہ نے وجہ پوچھی تو اس نے ساری بات بتا دی۔

والدہ نے پیار سے کہا:

"بیٹا! پہلی کوشش میں ناکام ہونا کوئی عیب نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان دوبارہ کوشش کرے یا نہ کرے۔"

اگلے دن عمر پھر اکیڈمی گیا۔

اس بار بھی وہ خوف زدہ تھا۔

پانی میں اترتے وقت اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

کئی دن تک یہی صورتِ حال رہی۔

دوسرے بچے تیزی سے سیکھ رہے تھے، جبکہ عمر ابھی پانی پر توازن قائم کرنا سیکھ رہا تھا۔

بعض اوقات اسے لگتا کہ شاید وہ کبھی تیراکی نہیں سیکھ سکے گا۔

ایک دن وہ اتنا مایوس ہوا کہ اس نے کوچ سے کہا:

”سر! شاید میں یہ نہیں سیکھ سکتا۔“

کوچ نے مسکرا کر پوچھا:

”تمہیں سب سے زیادہ خوف کس چیز سے لگتا ہے؟“

”مجھے لگتا ہے کہ میں ڈوب جاؤں گا۔“

”بیٹا! اصل دشمن پانی نہیں، خوف ہے۔ جب تم خوف پر قابو پالو گے تو پانی بھی تمہارا دوست بن جائے گا۔“ کوچ نے جواب دیا

یہ الفاظ عمر کے دل میں گھر کر گئے۔

اس دن سے اس نے ایک نئی سوچ کے ساتھ مشق شروع کی۔

اب وہ ہر روز خود کو ایک چھوٹا سا ہدف دیتا۔

پہلے دن صرف چند سیکنڈ پانی میں رہنا۔

پھر پانی پر تیرنے کی مشق۔

پھر سانس کو قابو میں رکھنا۔

پھر چند میٹر تیرنا۔

اگرچہ ترقی سست تھی، مگر ہو رہی تھی۔

کبھی کبھی وہ ناکام بھی ہو جاتا، مگر اب وہ پہلے کی طرح مایوس نہیں ہوتا تھا۔

اسے یاد تھا کہ کامیابی چھوٹے چھوٹے قدموں سے حاصل ہوتی ہے۔

ایک دن اکیڈمی میں ایک تربیتی نشست ہوئی۔

کوچ صاحب نے بچوں کو بتایا:

”تیراکی صرف جسمانی ورزش نہیں، یہ صبر، اعتماد اور نظم و ضبط بھی سکھاتی ہے۔ پانی میں گھبراہٹ انسان کو نقصان پہنچاتی ہے، لیکن سکون اور اعتماد اسے کامیابی تک پہنچاتے ہیں۔“

عمر نے محسوس کیا کہ یہ بات صرف تیراکی ہی نہیں بلکہ پوری زندگی پر لاگو ہوتی ہے۔

وقت گزرتا گیا۔

ہفتے مہینوں میں بدل گئے۔

اب عمر پہلے جیسا خوف زدہ بچہ نہیں رہا تھا۔

وہ اب پانی میں اترتے وقت گھبراتا نہیں تھا۔

اگرچہ ابھی بھی اسے مکمل مہارت حاصل نہیں ہوئی تھی، لیکن اس نے اپنے خوف کو کافی حد تک شکست دے دی تھی۔

اسی دوران اسکول میں تیراکی کے ایک دوستانہ مقابلے کا اعلان ہوا۔

بعض بچے بہت خوش ہوئے۔

کچھ نے اپنی کامیابی کے دعوے شروع کر دیے۔

عمر نے خاموشی اختیار کی۔

اسے جیتنے یا ہارنے کی فکر نہیں تھی۔

اس کے ذہن میں صرف ایک بات تھی:

"کیا میں مقابلے کے دن اپنے خوف پر قابو رکھ سکوں گا؟"

مقابلے سے پہلے وہ پہلے سے زیادہ محنت کرنے لگا۔

صبح جلدی اٹھتا۔

ورزش کرتا۔

وقت پر اکیڈمی جاتا۔

پوری توجہ سے مشق کرتا۔

بعض دن وہ تھک جاتا۔

بعض دن اس کا دل نہیں چاہتا تھا۔

مگر وہ جانتا تھا کہ کامیابی صرف خواہش کرنے سے نہیں ملتی، اس کے لیے مسلسل کوشش کرنا پڑتی ہے۔

بالآخر مقابلے کا دن آ گیا۔

سوئمنگ پول کے اردگرد بچوں، اساتذہ اور والدین کا ہجوم تھا۔

عمر نے پول کی طرف دیکھا۔

کچھ لمحوں کے لیے اس کے دل میں پرانا خوف جاگا۔

اسے اپنا پہلا دن یاد آیا۔

وہ دن جب وہ پانی میں قدم رکھتے ہی گھبرا گیا تھا۔

وہ دن جب بچے اس پر ہنسے تھے۔

وہ دن جب اس نے تیراکی چھوڑنے کا سوچ لیا تھا۔

لیکن پھر اسے اپنے والد کی بات یاد آئی، اپنی والدہ کی نصیحت یاد آئی اور کوچ کے الفاظ یاد آئے:

"اصل دشمن پانی نہیں، خوف ہے۔"

اس نے گہرا سانس لیا۔

اپنے دل میں دعاء پڑھی۔
اور خود سے کہا:
"میں آج کسی دوسرے سے مقابلہ نہیں کر رہا۔ میں آج اپنے خوف سے مقابلہ کر رہا ہوں۔"
سیٹی بجی۔
تمام بچے پانی میں اتر گئے۔
عمر نے اطمینان اور اعتماد کے ساتھ تیراکی شروع کی۔
اب اس کے ہاتھ کانپ نہیں رہے تھے۔
اس کا دل گھبرا نہیں رہا تھا۔
وہ پانی کو دشمن نہیں بلکہ دوست سمجھ کر آگے بڑھ رہا تھا۔
اس لمحے اسے احساس ہوا کہ اصل کامیابی کسی تمغے، کسی انعام یا کسی پوزیشن کا نام نہیں۔
اصل کامیابی تو یہ ہے کہ انسان اپنے خوف کو شکست دے دے۔
مقابلہ ختم ہوا۔
لوگ نتائج کے بارے میں بات کر رہے تھے، لیکن عمر کے چہرے پر ایک الگ ہی خوشی تھی۔
وہ خوشی کسی انعام کی نہیں تھی۔
وہ خوشی اس بات کی تھی کہ جس بچے کو کبھی پانی کے قریب جانے سے خوف آتا تھا، آج وہ اعتماد کے ساتھ تیراکی کر رہا تھا۔ گھر واپس جاتے ہوئے اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔
اسے احساس ہوا کہ محنت کبھی ضائع نہیں جاتی۔
جو شخص صبر، استقامت اور لگن کے ساتھ کوشش کرتا رہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے کامیابی کے راستے کھول دیتا ہے۔
اس دن عمر نے ایک بہت بڑا سبق سیکھا۔
خوف انسان کو روک سکتا ہے، لیکن اگر انسان ہمت، دعاء اور مسلسل کوشش کا دامن تھام لے تو وہ اپنے سب سے بڑے خوف کو بھی شکست دے سکتا ہے۔
اور یہی اس کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

محبت

رومان رشید

ابھی کچھ دیر پہلے میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ پڑھا، جسے پڑھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

ویسے بھی مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جاننا بہت اچھا لگتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسے محبت نہیں ہوگی؟ وہ جنہیں ہمارے نبی ﷺ نے اپنا بھائی کہا تھا۔ وہ کتنے خوش ہوئے ہوں گے؟ یقیناً وہ بہت خوش ہوئے تھے۔

میں نے مختارات میں ان کی شہادت کا واقعہ پڑھا تھا، اور کئی دن تک غمگین رہی، جیسے یہ سب ابھی ہوا ہو، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ میری آنکھوں کے سامنے ہی شہید ہو گئے ہوں۔

نہ جانے ان کا دورِ خلافت کیسا ہوگا؟

ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہادری اور شجاعت کے واقعات تو بہت پڑھتے ہیں، لیکن ایک واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کتنے نرم دل اور عاجز بھی تھے۔

ہمارے نبی ﷺ کے ایک صحابی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ تھے۔ انہیں رسول اللہ ﷺ نے منافقین کے نام بتائے تھے، یعنی منافقین کے نام صرف حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ہی جانتے تھے۔

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''کیا میرا نام بھی منافقین میں شامل ہے؟''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ سوال سن کر یقیناً حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بہت حیران ہوئے ہوں گے۔

اپنے دورِ خلافت میں حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ آپ نے ایک گھر سے اشعار پڑھنے کی آواز سنی۔ جب قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک بوڑھی عورت نبی کریم ﷺ کی محبت اور جدائی میں اشعار پڑھ رہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگ گئے۔

آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ بوڑھی عورت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو حیران ہو کر کہنے لگی:

"امیر المؤمنین! آپ رات کے وقت میرے دروازے پر؟"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ہاں، میری آپ سے ایک درخواست ہے کہ وہ اشعار دوبارہ سنا دیں جو آپ پڑھ رہی تھیں۔"

بوڑھی عورت نے پھر وہ اشعار پڑھے، جن کا مفہوم یہ تھا:

"وہ راتوں کو جاگنے والے اور سحری کے وقت روزہ رکھنے والے تھے۔ موت تو آنی ہی ہے، کاش مجھے یقین ہو جائے کہ مرنے کے بعد مجھے اپنے محبوب ﷺ کا وصل نصیب ہوگا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہیں زمین پر بیٹھ کر کافی دیر تک روتے رہے۔ آپ کا دل اتنا رنجیدہ ہوا کہ کئی دن تک بیمار رہے۔

ایک اور واقعہ بھی میں نے کہیں پڑھا تھا، اگرچہ اس کی پوری تفصیل اس وقت یاد نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہیں جا رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ درمیان میں چل رہے تھے، جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قد میں ان سے لمبے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ازراہِ مزاح فرمایا:

"علی! تم ہمارے درمیان ایسے ہو جیسے "لنا" میں نون۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مسکرا کر فرمانے لگے:

اگر "لنا" سے نون نکال دیا جائے تو "لا" رہ جاتا ہے۔"

بنت نسیم

راکھ سے روشنی تک

رات کی تاریکی ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی، مگر غزہ کے آسمان پر دھوئیں کے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔

ہر طرف ٹوٹی ہوئی عمارتیں، ملبے کے ڈھیر اور خاموش سڑکیں ایک دردناک داستان سنا رہی تھیں۔

کبھی یہاں بچوں کی ہنسی گونجتی تھی، لیکن اب فضا میں صرف ایمبولینسوں کی آوازیں اور لوگوں کی دعائیں سنائی دیتی تھیں۔

بارہ سالہ یوسف بھی انہی بچوں میں سے ایک تھا۔

چند ماہ پہلے تک اس کی زندگی عام بچوں جیسی تھی۔ وہ اسکول جاتا، شام کو دوستوں کے ساتھ فٹ بال کھیلتا اور رات کو اپنی امی سے کہانیاں سنتا۔ اس کے ابو ہمیشہ کہتے تھے:

”بیٹا! حالات جیسے بھی ہوں، قرآن سے اپنا تعلق کبھی کم نہ ہونے دینا۔“

یوسف مسکرا دیتا، مگر اسے اندازہ نہ تھا کہ ایک دن یہی نصیحت اس کی پوری زندگی بدل دے گی۔

ایک خوفناک رات سب کچھ بدل گیا۔

شدید بمباری کے بعد جب گرد و غبار چھٹا تو یوسف نے اپنے گھر کی جگہ صرف ملبہ دیکھا۔ اس نے اپنے والدین، بہن اور

چھوٹے بھائی کو کھو دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے، مگر زبان پر صرف ایک جملہ تھا:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

اب اس کے پاس نہ گھر تھا، نہ کھلونے، نہ کتابیں اور نہ ہی وہ خاندان جس کے سائے میں وہ پلا بڑھا تھا۔

چند دن بعد وہ ایک امدادی کیمپ میں منتقل ہو گیا۔ وہاں اس کی ملاقات ایک بزرگ استاد، شیخ عبدالرحمن، سے ہوئی۔ وہ روزانہ بچوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔ ایک دن انہوں نے دیکھا کہ یوسف ایک کونے میں خاموش بیٹھا آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے۔

شیخ صاحب اس کے پاس آئے اور نرمی سے بولے:

”بیٹا! دل بہت بھاری ہے؟“

یوسف کی آنکھیں بھر آئیں۔

”میرے پاس اب کچھ بھی نہیں بچا۔“

شیخ صاحب نے محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا:

”نہیں بیٹا! اگر تمہارے سینے میں قرآن بس جائے تو تمہارے پاس دنیا کی سب سے بڑی دولت ہوگی، ایسی دولت جسے کوئی چھین نہیں سکتا۔“

یہ الفاظ یوسف کے دل میں اتر گئے۔

اگلے ہی دن اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ قرآنِ مجید حفظ کرے گا۔

کیمپ میں نہ آرام دہ کمرہ تھا، نہ بجلی ہمیشہ موجود رہتی تھی اور نہ ہی پڑھنے کے لیے بہترین ماحول۔ کبھی تیز شور ہوتا، کبھی دھواں، کبھی خوف، مگر یوسف نے ہمت نہ ہاری۔

وہ فجر کی نماز کے بعد اپنے استاد کے پاس بیٹھ جاتا۔ روزانہ چند نئی آیات یاد کرتا اور پرانی منزل دہراتا۔ اگر کبھی کوئی آیت بھول جاتا تو دوبارہ محنت کرتا، لیکن مایوس نہ ہوتا۔

دوسرے بچے کبھی کبھار کھیلنے چلے جاتے، مگر یوسف کہتا:

”پہلے آج کا سبق یاد کر لوں، پھر کھیلوں گا۔“

شیخ عبدالرحمن اکثر کہتے:

”قرآن صرف زبان سے نہیں، دل

سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔"

یہ جملہ یوسف کی زندگی کا اصول بن گیا۔

کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ بمباری کی آوازوں کی وجہ سے سبق ادھورا رہ گیا۔ ایک دن تو کیمپ بھی تبدیل کرنا پڑا۔ لوگوں نے سمجھا کہ اب حفظ کا سلسلہ رک جائے گا، مگر یوسف نے اپنا چھوٹا سا قرآن سینے سے لگا لیا اور بولا:

"جب تک سانس ہے، حفظ جاری رہے گا۔"

رفتہ رفتہ وہ پورا ایک پارہ، پھر دو، پھر پانچ پارے حفظ کر گیا۔ ہر نیا پارہ مکمل ہونے پر اس کی آنکھوں میں ایک نئی چمک آ جاتی۔

ایک دن شیخ عبدالرحمن نے پوچھا:

"بیٹا! اتنی سختیوں کے باوجود تم کبھی ہمت کیوں نہیں ہارتے؟"

یوسف نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا:

"میرے ابو کہا کرتے تھے کہ اگر کبھی سب کچھ چھن جائے تو اللہ کا کلام مضبوطی سے تھام لینا۔ اب میرے پاس قرآن ہی تو ہے۔"

یہ سن کر شیخ صاحب کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

مہینے گزرتے گئے۔

اب یوسف کی آواز میں اعتماد آ چکا تھا۔ وہ نہ صرف خود سبق سناتا بلکہ چھوٹے بچوں کی بھی مدد کرتا۔ اگر کوئی بچہ کسی آیت میں غلطی کرتا تو وہ نرمی سے اس کی اصلاح کرتا اور کہتا:

"ہم سب مل کر قرآن سیکھیں گے۔"

آخر کار وہ دن بھی آ پہنچا جس کا سب کو انتظار تھا۔

سادہ سے خیمے میں چند کرسیاں لگائی گئیں۔ بچوں اور اساتذہ نے مل کر ایک مختصر تقریب منعقد کی۔

شیخ عبدالرحمن نے یوسف کو اپنے پاس بلایا اور اعلان کیا:

"آج ہمارا بیٹا یوسف اللہ کے فضل سے مکمل حافظِ قرآن بن گیا ہے۔"

یہ سنتے ہی سب کی آنکھیں خوشی سے بھر آئیں۔

یوسف نے دونوں ہاتھوں سے قرآنِ مجید کو سینے سے لگا لیا۔ اس کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ اس نے دل ہی دل میں اپنے والدین کے لیے دعاء کی اور آہستہ سے کہا:

''ابو! آپ کا خواب پورا ہو گیا۔''

شیخ عبدالرحمن نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا:

''بیٹا! دشمن تمہارا گھر گرا سکتا ہے، لیکن جس دل میں قرآن آباد ہو، اسے کبھی ویران نہیں کر سکتا۔''

اس دن یوسف کے پاس نہ کوئی بڑا انعام تھا، نہ سونے کا تمغہ اور نہ ہی شاندار لباس، لیکن اس کے سینے میں اللہ کا کلام محفوظ تھا، اور یہی اس کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔

چند سال بعد یوسف خود قرآن کا استاد بن گیا۔ وہ غزہ کے بچوں کو صرف قرآن حفظ نہیں کرواتا تھا بلکہ انہیں امید بھی دیتا تھا۔

وہ ہمیشہ کہتا:

''زندگی میں مشکلات ضرور آئیں گی، لیکن اگر ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہو تو اندھیری رات کے بعد روشنی ضرور طلوع ہوتی ہے۔''

غزہ کے لوگ جب اس نوجوان حافظِ قرآن کو دیکھتے تو انہیں یقین ہو جاتا کہ عمارتیں گر سکتی ہیں، بستیاں اجڑ سکتی ہیں، مگر ایمان، صبر اور قرآن سے محبت رکھنے والے دل کبھی شکست نہیں کھاتے۔

****

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت ہی صاف اور واضح الفاظ میں ''صَفَرُ المُظَفَّر'' اور اس مہینے کے علاوہ پائے جانے والے والے توہمات اور قیامت تک کے باطل نظریات کی تردید اور نفی فرما دی اور علی الاعلان ارشاد فرمادیا کہ:

(اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر) ایک شخص کی بیماری، دوسرے کو (خود بخود) لگ جانے (کا عقیدہ) ماہِ صفر (میں نحوست ہونے کا عقیدہ) اور (ایک مخصوص) پرندے کی بدشگونی (کا عقیدہ) سب بے حقیقت باتیں ہیں۔ (صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الھامۃ، رقم الحدیث: ۵۷۷۰)

کُتب کا مُطالعہ

بنت اسامہ

عربی زبان کے مشہور شاعر متنبی نے ایک بہت خوب صورت بات کہی ہے:

”زمانے میں سب سے اچھا دوست کتاب ہے۔“

یہ بات بالکل درست ہے۔ ایک اچھی کتاب انسان کی ایسی دوست ہوتی ہے جو کبھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔ جب انسان اکیلا ہو تو کتاب اس کی تنہائی دور کر دیتی ہے، اور جب وہ اُکتا جائے تو اس کا دل بہلا دیتی ہے۔

کتاب ہمیں دنیا کے مختلف شہروں، ملکوں اور تہذیبوں سے روشناس کراتی ہے۔ اس کے ذریعے ہم ایسے عظیم لوگوں کے خیالات اور تجربات سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں جن سے ہم کبھی مل نہیں سکتے، بلکہ بعض تو دنیا سے رخصت بھی ہو چکے ہوتے ہیں۔ کتابیں ہمیں نئے نئے علوم، اچھے خیالات اور مختلف نظریات سے بھی آگاہ کرتی ہیں۔

جس شخص کو کتابوں سے محبت ہو جائے، اس کے لیے مطالعے کے بغیر زندگی ادھوری محسوس ہوتی ہے۔ کتابیں اس کی ہر وقت کی ساتھی بن جاتی ہیں۔ خوشی ہو یا غم، کتاب اس کا ساتھ دیتی ہے۔ پریشانی کے وقت اس کا دل بہلاتی ہے

اور مشکل حالات میں اسے صبر اور ہمت دیتی ہے۔

ہمارے بزرگوں کو بھی کتابوں سے بے حد محبت تھی۔ وہ کتابیں جمع کرتے، اپنے گھروں میں کتب خانے بناتے اور اچھی کتاب حاصل کرنے کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

مشہور عالم امام ابن الخشابؒ کے بارے میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ انہوں نے ایک قیمتی کتاب خریدی، لیکن اس کی قیمت ادا کرنے کے لیے ان کے پاس پیسے نہیں تھے۔ انہوں نے تین دن کی مہلت لی اور اپنا گھر بیچنے کا اعلان کر دیا تاکہ کتاب کی قیمت ادا کر سکیں۔

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگ علم اور کتابوں کو کتنی بڑی دولت سمجھتے تھے۔

قریب کے زمانے میں بھی بہت سے اہلِ علم ایسے گزرے ہیں جنہیں کتابوں سے بے حد محبت تھی۔ ان میں ایک نام مولانا عبدالمجید دریا آبادیؒ کا بھی ہے۔ وہ بچپن ہی سے ہر اچھی کتاب پڑھنے کا شوق رکھتے تھے۔ ابتدا میں وہ دوسروں سے کتابیں لے کر پڑھتے رہے، پھر جب مطالعے کا شوق بڑھا تو لائبریری کے رکن بن گئے اور اپنی ذاتی کتابیں جمع کرنا شروع کر دیں۔ جب وہ اپنے چھوٹے سے کتب خانے کو دیکھتے تو بہت خوش ہوتے۔

ایک مرتبہ انہیں معلوم ہوا کہ ایک طالب علم نے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا نیا مجموعہ اپنے گھر منگوایا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ بڑی بے تابی سے اس کے گھر پہنچ گئے۔ بعد میں انہوں نے لکھا کہ وہ ایسا محسوس کر رہے تھے جیسے دوڑ کر نہیں بلکہ شوق کے پروں پر اُڑ کر وہاں پہنچے ہوں۔

جب وہ اس انسائیکلوپیڈیا کی ایک جلد اپنے گھر لائے تو اسے بڑے شوق سے پڑھنے لگے۔ کبھی بیٹھ کر، کبھی لیٹ کر، کبھی میز پر رکھ کر اور کبھی ہاتھ میں پکڑ کر۔ وہ کہتے تھے کہ انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی بہت بڑا خزانہ مل گیا ہو۔ انہیں کتابوں سے اس قدر محبت تھی کہ اگر ممکن ہوتا تو وہ خوشی سے

انہیں سینے سے لگا لیتے۔

یہ صرف ایک شخص کی بات نہیں تھی بلکہ اس زمانے میں مسلمانوں کے ہاں کتابوں کی بہت قدر کی جاتی تھی۔ کتابیں اتنی قیمتی سمجھی جاتی تھیں کہ بعض اوقات لڑکیوں کے جہیز میں بھی ذاتی کتب خانے شامل کیے جاتے تھے۔

مشہور محدث امام اسحاق بن راہویہؒ نے بھی ایک ایسے گھرانے میں نکاح کیا جہاں انہیں امام شافعیؒ کی کتابوں پر مشتمل ایک قیمتی کتب خانہ ملا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگ کتابوں کو دنیا کی بڑی نعمت سمجھتے تھے اور علم کے حصول کو ہر چیز پر ترجیح دیتے تھے۔

اگرچہ آج پہلے کی نسبت لوگوں میں مطالعے کا شوق کم ہو گیا ہے، پھر بھی بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو کتابوں سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ مشہور علم دوست شخصیت حکیم محمد سعیدؒ نے اپنی بیٹی کو جہیز میں ذاتی کتب خانہ دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ علم کے نزدیک کتاب صرف کاغذ کے چند صفحات نہیں بلکہ علم، تجربے اور دانائی کا خزانہ ہوتی ہے۔

اسی لیے پہلے زمانے میں لوگ خوشی کے موقع پر ایک دوسرے کو اچھی کتابیں تحفے میں دیتے تھے۔ یہ ایسا تحفہ ہوتا تھا جو صرف وقتی خوشی نہیں دیتا بلکہ انسان کو زندگی بھر فائدہ پہنچاتا ہے۔ ایک اچھی کتاب علم میں اضافہ کرتی ہے، اچھی سوچ پیدا کرتی ہے اور انسان کے کردار کو بہتر بناتی ہے۔ اگر آج بھی ہم اپنے دوستوں اور عزیزوں کو مفید کتابیں تحفے میں دیں تو مطالعے کا شوق بڑھے گا اور ہمارا معاشرہ زیادہ علم دوست بنے گا۔

پرانے زمانے میں صرف علماء ہی نہیں بلکہ عام لوگ بھی اپنے گھروں میں چھوٹے چھوٹے کتب خانے بناتے تھے۔ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق کتابیں جمع کرتا تھا۔ کتابوں سے بھرا ہوا گھر عزت، علم اور اچھے ذوق کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ لوگ کتابوں کو صرف سجا کر نہیں رکھتے تھے بلکہ انہیں پڑھتے بھی تھے اور ان سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

ایک عالم نے بہت خوبصورت بات

لکھی ہے کہ مسلمان کتابوں سے صرف علم ہی حاصل نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے گھروں کو بھی کتابوں سے سجاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیں ان کی زندگی کا اہم حصہ تھیں۔

لیکن صرف کتابیں جمع کرنا کافی نہیں، اصل مقصد انہیں پڑھنا ہے۔ ایک اچھی کتاب مصنف کی کئی سال کی محنت، تحقیق اور تجربے کا خلاصہ ہوتی ہے۔ اسے پڑھ کر انسان تھوڑے وقت میں بہت کچھ سیکھ لیتا ہے۔

مطالعے کے چند اہم فائدے

۱ انسان کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔

۲ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت بہتر ہوتی ہے۔

۳ زبان اور اظہارِ خیال میں بہتری آتی ہے۔

۴ حافظہ مضبوط ہوتا ہے۔

۵ اپنی کمزوریوں کا احساس ہوتا ہے اور مزید علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

۶ صحیح اور غلط میں فرق کرنے کی صلاحیت بڑھتی ہے۔

۷ وقت اچھے کاموں میں گزرتا ہے اور فضول مشاغل سے بچاؤ ہوتا ہے۔

۸ اچھا لکھنے اور بولنے کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے۔

۹ نئے خیالات جنم لیتے ہیں اور تخلیقی صلاحیت بڑھتی ہے۔

۱۰ انسان میں ہمت، محنت اور خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔

مشہور محدث امام بخاریؒ سے ایک بار پوچھا گیا کہ حافظہ مضبوط کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟ آپؒ نے فرمایا کہ شوق کے ساتھ مسلسل مطالعہ کرنے سے بہتر کوئی چیز نہیں۔

اگر ہم روزانہ صرف چند صفحات ہی پڑھنے کی عادت بنا لیں تو آہستہ آہستہ ہمارا علم بڑھے گا، ہماری سوچ بہتر ہوگی اور ہماری شخصیت میں نکھار پیدا ہوگا۔ اس لیے ہمیں کتابوں کو اپنا بہترین دوست بنانا چاہیے، کیونکہ کامیاب اور باکردار انسان

بقیہ صفحہ 69 پر

گرمیوں کی چھٹیاں شروع ہو چکی تھیں۔ سورج کی تیز دھوپ کے باوجود گاؤں کی فضا میں ایک عجیب سی مٹھاس گھلی ہوئی تھی۔

اس کی وجہ گاؤں کے اردگرد پھیلے ہوئے آموں کے سرسبز باغ تھے۔ ہر درخت پر سنہری اور خوشبودار آم جھول رہے

حسن کو آم بے حد پسند تھے۔ اگر کوئی اس سے پوچھتا کہ دنیا کا سب سے اچھا پھل کون سا ہے تو وہ فوراً مسکرا کر کہتا:

''آم! کیونکہ یہ پھلوں کا بادشاہ ہے۔''

اس کی چھوٹی بہن مریم ہنستے ہوئے کہتی:

''بھائی! آپ کو تو آم اتنے پسند ہیں کہ

سچّا دوست

محمد حارث

تھے۔ ہلکی ہوا چلتی تو آموں کی مہک دور دور تک پھیل جاتی۔ پرندے خوشی سے چہچہاتے اور بچے باغوں کے قریب کھیلتے ہوئے بار بار درختوں کی طرف دیکھتے۔

انہی بچوں میں دس سالہ حسن بھی تھا۔

اگر روز صبح، دوپہر اور شام صرف آم ہی ملیں تو بھی خوش رہیں گے۔''

حسن مسکرا دیتا اور کہتا:

''بالکل! کیونکہ آم جیسا ذائقہ کسی اور پھل میں نہیں۔''

ایک دن حسن اپنے والد کے ساتھ گاؤں کے مشہور آم کے باغ میں گیا۔ باغ کے مالک، چچا کریم، نہایت محنتی اور خوش اخلاق انسان تھے۔ انہوں نے بچوں کو اپنے پاس بلایا اور مختلف اقسام کے آم دکھاتے ہوئے کہا:

”یہ چونسہ ہے، یہ سندھڑی، یہ انور رٹول اور یہ دسہری۔ ہر ایک کا ذائقہ الگ ہے، لیکن سب اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں۔“

حسن نے ایک آم کھایا تو بے اختیار بول اٹھا:

”واہ! اس سے مزیدار چیز تو دنیا میں ہو ہی نہیں سکتی۔“

چچا کریم مسکرائے اور بولے:

”بیٹا! آم واقعی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں، لیکن ہر نعمت کی قدر کرنا بھی ضروری ہے۔“

حسن نے معصومیت سے پوچھا:

”قدر کیسے کرتے ہیں؟“

چچا کریم نے جواب دیا:

”ضرورت کے مطابق کھاؤ، ضائع نہ کرو، اور دوسروں کے ساتھ بھی بانٹو!“

حسن نے سر تو ہلا دیا، مگر اس نے ان باتوں پر زیادہ غور نہ کیا۔

اسی شام گھر میں آموں کی ایک بڑی ٹوکری آئی۔ حسن خوشی سے ایک کے بعد ایک آم کھاتا گیا۔ امی نے سمجھایا:

”بیٹا! زیادہ آم کھانے سے طبیعت خراب ہو سکتی ہے۔“

لیکن حسن نے ہنستے ہوئے کہا:

”امی! آم کبھی نقصان نہیں دیتے۔“

چند گھنٹوں بعد اس کے پیٹ میں درد شروع ہو گیا۔ وہ بستر پر لیٹ گیا۔ امی نے پانی پلایا اور آرام کرنے کو کہا۔

والد صاحب اس کے پاس بیٹھ گئے اور نرمی سے بولے:

”بیٹا! اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت اچھی ہے، لیکن اگر انسان حد سے بڑھ جائے تو وہی چیز تکلیف کا سبب بھی بن سکتی ہے۔“

حسن کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ آئندہ کبھی کسی چیز میں ضرورت سے زیادہ نہیں کرے گا۔

اگلے دن وہ دوبارہ باغ گیا۔ اس مرتبہ اس نے باغ کو غور سے دیکھا۔ مزدور

سخت دھوپ میں درختوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔کوئی پانی دے رہا تھا، کوئی شاخیں کاٹ رہا تھا اور کوئی احتیاط سے آم توڑ رہا تھا۔

حسن نے حیرت سے پوچھا:

’’چچا! ایک آم کے لیے اتنی محنت کرنی پڑتی ہے؟‘‘

چچا کریم نے مسکرا کر کہا:

’’بیٹا! درخت ایک دن میں نہیں بنتے۔کئی سال تک ان کی حفاظت، پانی، کھاد اور دیکھ بھال کی جاتی ہے، تب جا کر یہ میٹھے آم دیتے ہیں۔‘‘

یہ سن کر حسن سوچ میں پڑ گیا۔

اسی دوران اس کی نظر ایک غریب بچے پر پڑی جو اپنے والد کے ساتھ باغ میں کام کر رہا تھا۔ دوپہر کے وقت مزدوروں کو آم تقسیم کیے گئے۔حسن نے دیکھا کہ وہ بچہ اپنے حصے میں سے سب سے خوبصورت آم الگ رکھ رہا ہے۔

حسن نے پوچھا:

’’یہ کیوں رکھا ہے؟‘‘

بچہ مسکرا کر بولا:

’’یہ میری امی کے لیے ہے۔انہیں آم بہت پسند ہیں۔‘‘

یہ سن کر حسن خاموش ہو گیا۔اسے یاد آیا کہ اس نے کبھی اپنی امی کے لیے الگ آم نہیں رکھا تھا۔

شام کو جب وہ گھر پہنچا تو اس نے ٹوکری میں سے سب سے اچھا آم نکالا اور امی کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا:

’’یہ صرف آپ کے لیے ہے۔‘‘

امی کی آنکھوں میں خوشی جھلکنے لگی۔ انہوں نے حسن کو گلے لگا لیا۔

چند دن بعد گاؤں میں ’’آم میلہ‘‘ منعقد ہوا۔اس میں بچوں کے لیے ایک دلچسپ مقابلہ رکھا گیا، جس کا عنوان تھا:

’’آم کا سچا دوست کون؟‘‘

بچوں کو حیرت ہوئی کہ یہ کیسا مقابلہ ہے۔

منتظم نے بتایا:

’’جو بچہ آموں کی قدر کرے، انہیں ضائع نہ کرے، باغوں کی حفاظت کرے اور دوسروں کے ساتھ بانٹ کر کھائے، وہی آم کا سچا دوست کہلائے گا۔‘‘

مقابلے کے دوران ایک چھوٹا بچہ آموں سے بھری ٹوکری اٹھائے جا رہا تھا کہ اچانک اس کا پاؤں پھسل گیا۔ آم زمین پر بکھر گئے۔ کئی بچے ہنسنے لگے، مگر حسن فوراً دوڑ کر آیا۔ اس نے ایک ایک آم احتیاط سے اٹھایا، صاف کیا اور دوبارہ ٹوکری میں رکھ دیا۔ پھر اس نے دوسرے بچوں کو بھی مدد کے لیے بلایا۔

یہ منظر دیکھ کر چچا کریم بہت خوش ہوئے۔

انہوں نے سب کے سامنے اعلان کیا:

”آج کے مقابلے کا فاتح حسن ہے، کیونکہ اس نے صرف آم کھانے کا شوق نہیں دکھایا بلکہ آم کی قدر بھی کی، دوسروں کی مدد بھی کی اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا احترام بھی کیا۔“

حسن کو انعام میں ایک خوبصورت کتاب اور آم کا ایک ننھا سا پودا دیا گیا۔

چچا کریم نے کہا:

”اگر تم واقعی آم سے محبت کرتے ہو تو اس پودے کو لگاؤ، اس کی حفاظت کرو، تاکہ آنے والے برسوں میں دوسرے بچے بھی اس کے میٹھے آم کھا سکیں۔“

حسن نے اسی دن اپنے گھر کے صحن میں وہ پودا لگا دیا۔ وہ روزانہ اسے پانی دیتا، اس کی دیکھ بھال کرتا اور دعا کرتا کہ ایک دن یہ بڑا درخت بن جائے۔

کئی سال بعد وہ ننھا سا پودا ایک گھنے اور سرسبز درخت میں بدل گیا۔ گرمیوں میں جب اس پر میٹھے آم لگتے تو حسن انہیں صرف اپنے لیے نہیں رکھتا تھا بلکہ پڑوسیوں، دوستوں اور غریب بچوں میں بھی تقسیم کرتا تھا۔

اس دن اسے چچا کریم کی بات یاد آئی:

”نعمت کی اصل مٹھاس اس وقت محسوس ہوتی ہے جب اسے دوسروں کے ساتھ بانٹا جائے۔“

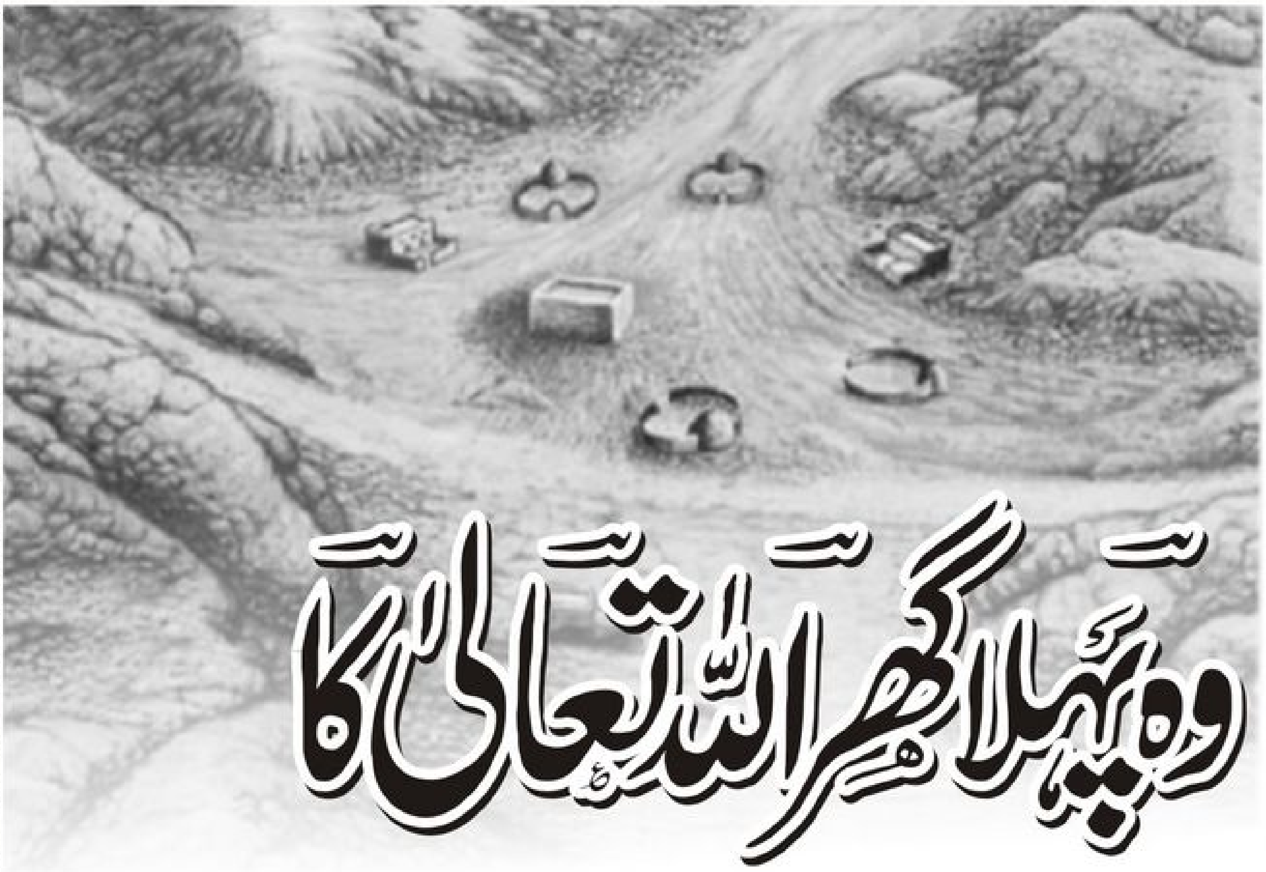

وہ پہلا گھر اللہ تعالیٰ کا

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (آلِ عمران ۳:۹۶)

بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ، جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی، وہ وہی ہے جو مکّہ میں واقع ہے۔ اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکزِ ہدایت بنایا گیا تھا۔

خانۂ کعبہ کا قدیم کتابوں میں تذکرہ

مشہور تاریخ دان ایڈورڈ گبن نے اپنی کتاب The Decline and Fall of the Roman Empire (انحطاط و زوالِ رومۃ الکبریٰ) میں خانۂ کعبہ کا ذکر عیسائیت کی ابتدا سے پہلے کیا ہے، جس کی وجہ وہ یہ بتاتا ہے کہ یونانی تاریخ دان ڈیوڈورس نے خانۂ کعبہ کا ذکر ثمود اور سبا کے واقعات کے ساتھ کیا ہے، لہٰذا اس کا وجود عیسائیت سے پہلے تھا۔

اے جے وینسِک نے لکھا ہے کہ دوسری صدی عیسوی میں کلاوڈیئس پٹولمی نے جس شہر مکروبہ کا ذکر کیا ہے، وہ دراصل مکہ ہی ہے۔ یہ پٹولمی بھی یونانی تاریخ دان

تھا اور اس کا انتقال ۱۶۸ء میں مصر کے شہر اسکندریہ میں ہوا۔ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

جی ای گرونبام نے بھی لکھا ہے کہ چونکہ مکراب کا لفظ عربی زبان میں معبد (ٹیمپل) کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس لیے کلاوڈیئس پٹولمی نے مکروبہ کا لفظ مکہ ہی کے لیے استعمال کیا ہے۔ (کلاسیکل اسلام)

تعمیرِ کعبہ کے مراحل

تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ کعبہ کی تعمیر بارہ مرتبہ ہوئی، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ فرشتوں کی تعمیر
۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر
۳۔ حضرت شیث علیہ السلام کی تعمیر
۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر
۵۔ عمالقہ کی تعمیر
۶۔ جرہم کی تعمیر
۷۔ قصی بن کلاب کی تعمیر
۸۔ قریش کی تعمیر
۹۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر
۱۰۔ حجاج بن یوسف کی تعمیر
۱۱۔ سلطان مراد رابع کی تعمیر
۱۲۔ خادم حرمین شریفین فہد بن عبد العزیز کی تعمیر

فرشتوں کی تعمیر

روایات میں آتا ہے کہ کعبہ دنیا کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل جنت میں تعمیر کیا گیا، اور یہ اب بھی موجود ہے، جسے بیت المعمور کہا جاتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر بیت المعمور کے عین نیچے فرمائی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر

امام نوویؒ نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ خانۂ کعبہ پہلا گھر ہے جسے حضرت آدم علیہ السلام نے زمین میں تعمیر کیا۔ اسی طرح امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً یہ روایت ذکر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جبرئیل امین علیہ السلام کو بھیج کر کعبۃ اللہ کی تعمیر اور پھر اس کے طواف کا حکم دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کر لی تو ان سے کہا گیا کہ:

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ

(آپ پہلے آدمی ہیں اور یہ بیت اللہ

پہلا گھر ہے جو لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے۔)

حضرت آدم علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیت اللہ طوفانِ نوح علیہ السلام تک اسی جگہ موجود رہا۔ روایات سے پتا چلتا ہے کہ طوفانِ نوح علیہ السلام کے زمانے میں اسے اوپر (آسمان پر) اُٹھا لیا گیا اور وہاں فرشتوں کے ذریعے وہ آباد ہو گیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے تک یہ جگہ خالی رہی اور اس مقام پر کوئی تعمیر نہیں ہوئی۔ البتہ یہ جگہ زمین سے اونچی تھی اور ایک ٹیلے کی شکل میں تھی، اس لیے بارش اور سیلاب کا پانی اس تک نہیں پہنچتا تھا۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی تعمیر

بخاری میں ایک طویل حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور بچے کی خبر لینے کے لیے شام سے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا:

”مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس بلند جگہ پر ایک گھر تعمیر کروں۔“

اس طرح باپ بیٹے نے مل کر اللہ کا محترم گھر، خانۂ کعبہ، تعمیر کیا۔

روایت ہے کہ طوفانِ نوح علیہ السلام کے موقع پر حجرِ اسود بھی آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس وقت اللہ نے جبل ابی قبیس کے پاس اس پتھر کو امانت رکھ دیا کہ جب میرا خلیل یہاں گھر تعمیر کرے گا تو اسے دے دینا۔ (اخبار مکہ، ہدایۃ السالک)

قرآن مجید میں خانۂ کعبہ کی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں تعمیر کا ذکر چار مقامات پر آیا ہے۔ سورۂ بقرہ، سورۂ ابراہیم اور سورۂ حج میں تفصیل کے ساتھ، اور سورۂ آلِ عمران میں ضمناً۔ اسی طرح بلدِ امین اور بلدِ حرام کا تذکرہ بھی کئی مقامات پر آیا ہے۔

عمالقه اور جرهم کی تعمیر

حضرت علیؓ کا قول، جو امام نووی، امام بیہقی اور ہدایۃ السالک میں درج ہے، یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ

کعبۃ اللہ کی عمارت پر ایک زمانہ گزرا اور وہ منہدم ہوگئی، تو پہلے عمالقہ، پھر جرہم کے خاندان، اور اس کے بعد قریش نے اس کی تعمیر کی۔ تاہم، قریش کے علاوہ باقی تعمیرات کی تفصیل نہیں ملتی۔

قریش کی تعمیر

زمانۂ جاہلیت میں بیت اللہ کی عمارت کمزور ہوگئی، چنانچہ قریش نے باہم مشاورت کے بعد یہ طے کیا کہ اس عمارت کو منہدم کر کے نئے سرے سے پختہ عمارت تعمیر کی جائے۔ حُسنِ اتفاق سے ایک یونانی تاجر کی کشتی شعیبہ کے مقام پر تباہ ہوگئی، تو اس کی لکڑی خانۂ کعبہ کی تعمیر میں استعمال کی گئی۔ اس کاریگر کا نام، جس نے یہ لکڑی کا کام کیا، باقوم بتایا جاتا ہے۔

جب کعبہ کی عمارت منہدم کرنے کا وقت آیا تو کوئی بھی کدال چلانے کو تیار نہیں تھا۔ آخر ولید بن مغیرہ نے کدال لگائی اور کہا:

"یا اللہ! ہم صرف خیر و بھلائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

لوگ اس رات انتظار کرتے رہے کہ اگر ولید کو کوئی گزند پہنچی تو ہم اس کام سے باز آجائیں گے، لیکن جب دیکھا کہ ولید کو کوئی گزند نہیں پہنچی تو پھر سب اس کام میں شامل ہوگئے۔

چادر میں حجرِ اسود رکھ کر ہر قبیلے کے سردار کو چادر کا ایک کونہ پکڑا دینا، اور پھر رسول اللہ ﷺ کا اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو اپنی جگہ پر رکھ دینے کا واقعہ، اسی تعمیر کے موقع کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر

قریش کی یہ تعمیر عہدِ رسالت ﷺ میں، اور اس کے بعد بھی ۶۰ ھ کے کچھ عرصے بعد تک برقرار رہی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنی خالہ، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات سنا کرتے تھے، جو رسول اللہ ﷺ کی خانۂ کعبہ کے متعلق تین خواہشیں تھیں:

ایک یہ کہ شمالی دیوار منہدم کر کے ابراہیمی بنیادوں پر اس کی تعمیر کی جائے۔ اس طرح جو حصہ خانۂ کعبہ کا قریش نے چھوڑ دیا تھا، اسے خانۂ کعبہ میں شامل

کرلیا جائے۔

دوسرے یہ کہ پہلے کی طرح دروازہ (بابِ کعبہ) کو زمین سے متصل کر دیا جائے، تاکہ لوگ آسانی سے اندر داخل ہو سکیں۔

تیسرے یہ کہ مغربی سمت میں بھی ایک دروازہ نکالا جائے۔

چنانچہ جب آپ خلیفہ ہوئے اور مکہ مکرمہ میں انہیں اختیاراتِ سلطنت اور قوت حاصل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کیا۔

اس کام کو شروع کرنے سے پہلے آپ نے تین دن تک استخارہ کیا۔ استخارے کے بعد جب انہیں اپنی رائے پر شرحِ صدر ہوگیا تو انہوں نے اس کام کو کر گزرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔

روایات میں آتا ہے کہ اہلِ مکہ تین دن منیٰ میں جا کر مقیم رہے، اس ڈر سے کہ کہیں کعبہ کو منہدم کرنے کے سبب اللہ کا عذاب نہ نازل ہو جائے۔

ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے کام کی ابتدا کی، لیکن ایک دوسری روایت میں ہے کہ خود حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کدال لے کر یہ کام شروع کیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ جب اللہ کی طرف سے کوئی آفت و مصیبت نازل نہیں ہوئی تو سب اس کام میں شریک ہوگئے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب تعمیرِ کعبہ سے فارغ ہوئے تو اسے اندر سے، باہر سے، اوپر سے، نیچے تک مشک و عنبر سے معطر کیا۔ عمدہ ریشم کا غلاف چڑھایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ شکرانے کے طور پر تنعیم سے احرام باندھ کر عمرہ کریں، اونٹ یا بکری کی قربانی کریں۔ اس دن لوگوں نے خوب غلام آزاد کیے اور بہت زیادہ جانوروں کی قربانیاں عمل میں آئیں۔ (بخاری)

حجاج بن یوسف کی تعمیر

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی یہ تبدیلی اور ترمیم زیادہ دنوں تک نہ رہ سکی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت اور مکہ مکرمہ پر حجاج بن یوسف کے قبضے کے بعد اس نے اس کی خبر عبدالملک بن مروان کو بھیجی۔

بقیہ صفحہ 63 پر

آرٹ گیلری

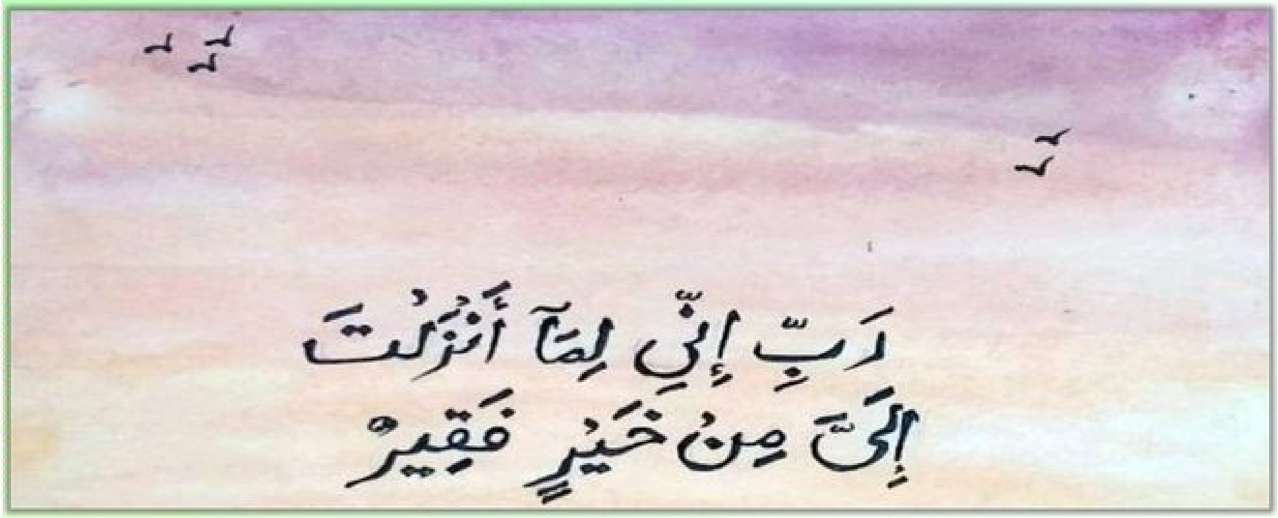
رَبِّ إِنِّي لِمَآ أَنزَلْتَ
إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ

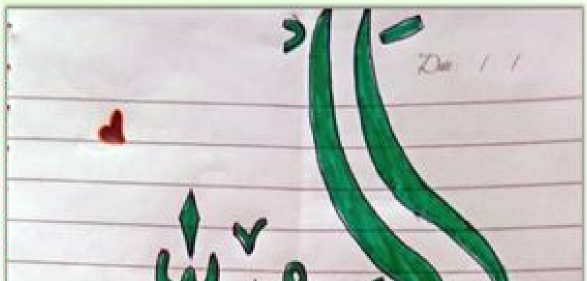
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
"سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے"

اللہ
محمد
رسول
صلی اللہ علیہ وسلم

وتعز من تشاء
وتذل من تشاء

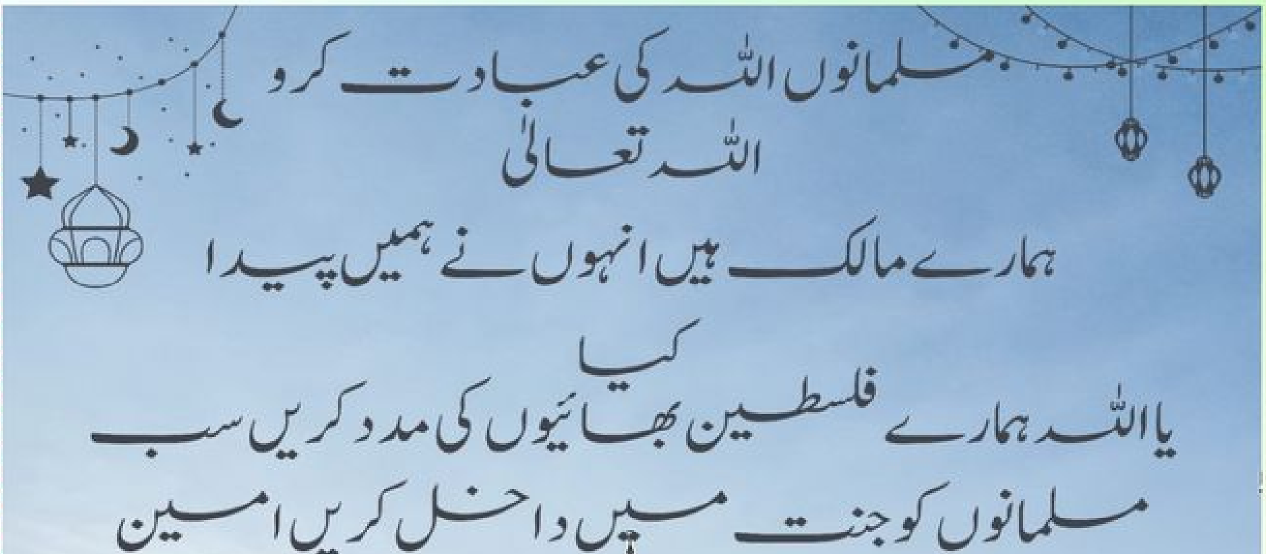
مسلمانوں اللہ کی عبادت کرو
اللہ تعالیٰ
ہمارے مالک ہیں انہوں نے ہمیں پیدا
کیا
یااللہ ہمارے فلسطین بھائیوں کی مدد کریں سب
مسلمانوں کو جنت میں داخل کریں امین
محمد بن زبیر طیب شہید

اللّٰھمّ صلّ علیٰ سیدنا محمد وسلم

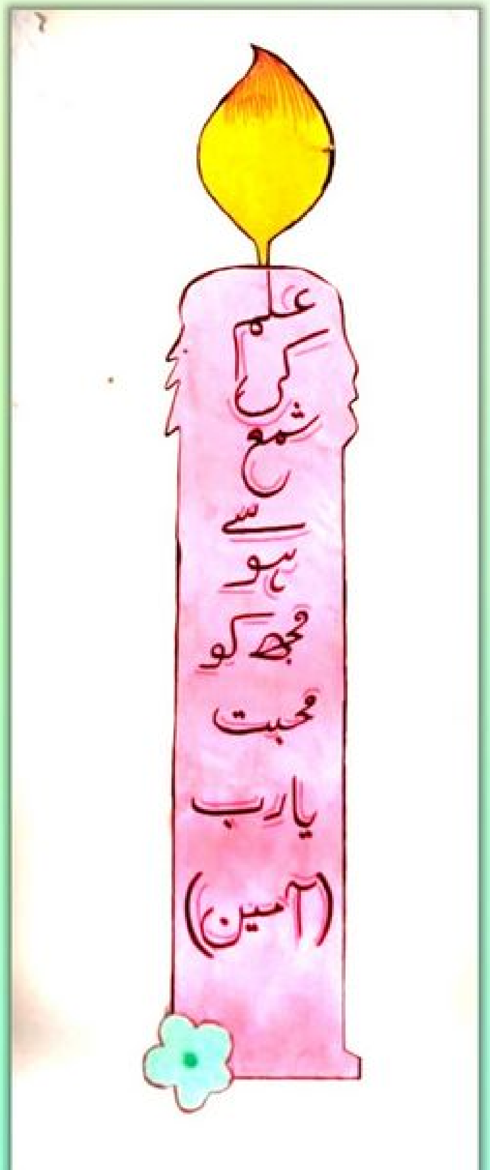
علم کی
شمع سے
ہو
مجھ کو
محبت
یارب
(آمین)

سیدنا کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سیدنا کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سیدنا کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سیدنا کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سیدنا کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سیدنا کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

”کَمَا رَبَّیَانِی صَغِیرًا“

انتخاب: محمد عویم

کہوں جب ”کَمَا رَبَّیَانِی صَغِیرًا“
ملے سب ، ”کَمَا رَبَّیَانِی صَغِیرًا“

کہے دل محبت سے ”اِرْحَمْھُمَا“ جب
کہے لب ”کَمَا رَبَّیَانِی صَغِیرًا“

مرے بوڑھے ماں باپ کی کر حفاظت
مرے رب! ”کَمَا رَبَّیَانِی صَغِیرًا“

مرے پیارے ماں باپ کو کر الٰہی!
مقرب ، ”کَمَا رَبَّیَانِی صَغِیرًا“

تہجد میں مانگوں میں پھیلا کے جھولی
ہر اک شب ، ”کَمَا رَبَّیَانِی صَغِیرًا“

نہیں جن کے ماں باپ پڑھ لیں وظیفہ
مجرب ”کَمَا رَبَّیَانِی صَغِیرًا“

یہ ماں باپ ہی تو اُسامہ کا پہلا
ہے مکتب ، ”کَمَا رَبَّیَانِی صَغِیرًا“

موبائل سانپ

حضرۃ مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ

اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ...... اپنے صحابہ کرامؓ کو اکثر ’’آخرت‘‘ کی یاد دلاتے رہتے تھے...... جی ہاں ایک انسان کی کامیابی کے لیے لازم ہے کہ اسے آخرت، قبر، جنت، جہنم اور حساب یہ ساری منزلیں یاد رہیں...... ورنہ تو دیندار لوگ بھی غافل ہو جاتے ہیں......

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کہ کسی چیز کے گرنے کی آواز سنائی دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جانتے ہو یہ آواز کیسی تھی؟ ہم نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بہتر جانتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

یہ وہ پتھر ہے جو ستر سال پہلے جہنم میں لڑھکایا گیا تھا وہ آج جہنم کی تہہ تک پہنچا ہے یہ اس کی آواز تھی۔ (صحیح مسلم)۔

اللہ، اللہ بس کچھ عرصہ بعد قیامت قائم ہو گی اور بدنصیب انسانوں کو اسی طرح جہنم میں پھینکا جائے گا...... معلوم نہیں اس دن

ہمارا کیا بنے گا...... ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہمارے لیے تاکید فرما گئے کہ ''جہنم سے بچنے کا سامان کرلو چاہے وہ ایک کھجور کے ٹکڑے سے ہی ہو۔ (صحیح بخاری)...... مگر سامان تو وہ کرے جس کو جہنم کی فکر ہو...... مرنے کا یقین ہو...... ابھی چند دن بعد ہم مرجائیں گے تب ہم اپنے ساتھ کیا لے جائیں گے...... اپنا موبائل فون؟...... موبائل فون نے تو ایسی خرابی مچائی ہے کہ صرف یہی ایک ''فون'' کسی انسان کے لیے خوفناک عذاب کا باعث بن سکتا ہے...... تصویریں، موسیقی، گیمز، ناپاک دوستیاں، فضول کالیں اور قیامت کے دن وبال بننے والی گفتگو...... مسلمانوں کو پہلے ہی ''زیادہ بولنے'' نے برباد کررکھا تھا اور اب تو موبائل فون پر باتیں ہی باتیں ہیں...... کسی کو یاد نہیں رہتا کہ ان باتوں کو لکھا جارہا ہے...... ان باتوں کو اللہ تعالیٰ سن رہا ہے...... ان کالوں پر خرچ ہونے والے مال کا بھی حساب دینا ہوگا...... ہر شخص کے کئی کئی نمبر ہیں اور ہر نمبر کے ساتھ کئی کئی شرارتیں...... انڈین آرمی کے عقوبت خانے میں ہمارے ساتھ ایک صاحب تھے ان کو زیادہ بولنے کی بیماری تھی...... کئی بار سمجھایا مگر وہ مجبور تھے...... ساتھیوں کی تلاوت اور ذکر اذکار میں حرج ہورہا تھا...... بالآخر قانون بنا کہ ان کے ساتھ کوئی گپ شپ نہ کرے ...... وہ بیچارے سخت پریشان ہوئے...... وہاں کھانا کم ملتا تھا تو وہ اپنا کھانا بچا کر کسی ساتھی کے پاس لے جاتے کہ یار یہ لے لو اور میرے ساتھ گپ شپ لگاؤ...... ساتھی مذاق میں کہتے کہ ہم سو روپے لیں گے تب آپ کی بات سنیں گے تو وہ اس پر بھی راضی ہوجاتے...... حالانکہ وہاں پیسوں کی بہت تنگی تھی...... موبائل فون نے تو ایسے لوگوں کی موجیں کرادی ہیں ...... اب وہ بہت آسانی سے اپنا وقت بھی ذبح کرتے ہیں اور دوسروں کا بھی...... حالانکہ فضول باتوں سے بچنا ایمان کی علامت ہے...... اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس چیز کے متعلق میں اپنی امت پر سب سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ زبان ہے۔ (کشف المحجوب)

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ خیر کی بات کہے یا خاموش رہے۔ (بخاری، مسلم)

احادیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ''زبان'' کی حفاظت اسی طرح ضروری ہے جس طرح شرمگاہ کی حفاظت...... اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ زیادہ باتیں نہ کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ زیادہ باتیں دل کو سخت کر دیتی ہیں اور لوگوں میں اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور وہ شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔ (ترمذی)

ابھی ہم نے جہنم میں پتھر گرنے والی روایت پڑھی...... اب یہ روایت بھی پڑھیں جو ہمارے بڑے خیر خواہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمارے فائدے کے لیے ارشاد فرمائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

ایک شخص اپنی زبان سے کوئی بات نکالتا ہے جس میں وہ غور نہیں کرتا (مگر) وہ اس بات کی وجہ سے جہنم میں اتنی دور جا گرتا ہے جتنی دوری مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ (بخاری، مسلم)

یہاں ایک چھوٹی سی مگر ضروری بات یاد آ گئی...... ہم لوگ اپنی ہر بیماری کی فکر کرتے ہیں مگر زبان کی بیماری کی اکثر ہمیں فکر نہیں رہتی...... ہر آدمی بس بول رہا ہے اور خوب بول رہا ہے...... اور جس کو کم بولنے کا کہا جائے وہ ناراض ہوتا ہے...... پہلے یہ غنیمت تھی کہ موبائل فون موجود نہیں تھا تو گپ شپ کے مریضوں کو کچھ وقت خاموش رہنے کا موقع مل جاتا تھا...... مگر اب موبائل فون کی وجہ سے ان کو اتنی سہولت ہو گئی ہے کہ شاید مرنے سے پہلے بھی آخری گپ شپ ان سے قضاء نہیں ہو گی...... ہم نے کبھی سوچا کہ ہم کیا کچھ بولتے ہیں؟

۱۔ کفر کی باتیں ۲۔ شہوت کی باتیں ۳۔ غیبت کی باتیں ۴۔ مسلمانوں میں تفریق کی باتیں ۵۔ گناہ کی باتیں...... کیا ہم ان تمام باتوں کا حساب قبر اور آخرت میں دے سکیں گے؟...... حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے ایک صاحب وفات پا گئے تو ایک دوسرے

صاحب نے فرمایا (ان کے لیے) جنت کی بشارت ہو، اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں کیا معلوم کہ شاید اس نے کوئی فضول بات کی ہو یا ایسی چیز میں بخل کیا ہو جو اس کے پاس کم نہیں ہوتی تھی۔ (ترمذی)

ایسی روایات کو پڑھ کر ہر شخص کہتا ہے کہ پھر تو زندگی بہت مشکل ہو جائے گی......

اس بات کے تین جوابات ہیں:

۱۔ایسی روایات کا مقصد دل میں یہ فکر پیدا کرنا ہوتا ہے کہ زبان کی حفاظت کی جائے، جن لوگوں کو اللہ پاک نے یہ فکر عطاء فرمادی...... ان کے ایمان اور اعمال میں ایسی برکت پیدا ہوگئی کہ سینکڑوں سال گزر چکے لوگ ان کے اعمال سے اب بھی نفع حاصل کر رہے ہیں......

۲۔نیکی کی باتیں اتنی زیادہ ہیں کہ اگر انسان ان میں لگا رہے تو اسے کسی کمی یا خشکی کا احساس ہی نہ ہو......ماضی کے جو لوگ جہاد بھی کرتے تھے، حکومتیں بھی چلاتے تھے اور روزانہ قرآن پاک کا مکمل ختم اور ہزاروں بار درود شریف بھی پڑھتے تھے......اس میں بڑا دخل زبان کی حفاظت کا تھا......

۳۔فضول باتیں بعض اوقات کسی فتنے کا ذریعہ بنتی ہیں...... ریاکاری کا ذریعہ بنتی ہیں......کسی ناجائز دوستی کا ذریعہ بنتی ہیں ......اور پھر یہ فتنہ، ریاکاری اور ناجائز دوستی ہزاروں گناہوں کا ذریعہ بن جاتی ہے...... قید کے زمانے میں ہم چند ساتھیوں نے زبان کی حفاظت کے اسلامی احکامات اور احادیث پڑھیں تو دل میں بہت فکر پیدا ہوئی......اور کئی ساتھیوں کو الحمدللہ فضول گپ شپ سے نفرت ہوگئی...... آپ بھی یہ احادیث مبارکہ پڑھنا چاہیں تو مکتبہ عرفان لاہور نے ایک کتاب چھاپی ہے......اس کا نام ہے ’’یہود کی چالیس بیماریاں‘‘...... اس کتاب کے صفحہ ۳۰۷ پر یہ عنوان ہے......’’یہودیوں کی نویں بیماری، جھوٹ اور گناہ کی عادی زبانیں‘‘...... آپ یہ پورا باب پڑھ لیں ......صرف اور صرف اپنی آخرت کے لیے...... کیونکہ اپنی زبان کا سب سے زیادہ نقصان خود زبان والے کو پہنچتا ہے......اور وہ ذلیل، خوار اور ناکام ہو

جاتا ہے...... اس باب کے صفحہ ۳۴۴ سے لے کر ۳۶۵ پر زبان کی حفاظت کے بارے میں چالیس احادیث موجود ہیں...... ان کو ضرور پڑھ لیں...... اور ان کی روشنی میں اپنی زبان کی اصلاح کی کوشش کریں......

یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ ہم جب بھی دین کی کوئی بات پڑھتے ہیں تو شیطان دو سوچیں دماغ میں ڈالتا ہے...... پہلی یہ کہ فلاں فلاں شخص تو ان باتوں پر عمل نہیں کر رہا...... اور دوسرا یہ کہ میں خود تو عمل نہیں کروں گا دوسروں کو سناؤں گا...... چنانچہ خطیب مزاج لوگ جب بھی کوئی دینی بات سنتے یا پڑھتے ہیں تو ان میں خود عمل کرنے کی نیت پیدا نہیں ہوتی بس اسی پر خوش ہوتے ہیں کہ ہم یہ بات دوسروں کو سنائیں گے تو ہماری واہ واہ ہوگی...... میں اور آپ آج ہی ان احادیث پر خود عمل کرنے کی نیت کر لیں...... تب ان شاء اللہ مدینہ منورہ کا دروازہ ہم پر کھل جائے گا...... اور کعبہ شریف کی ہدایت کا نور ہم پر برسے گا......

جیل کے رفقاء میں جب اس خوفناک بیماری کے بارے میں شعور پیدا ہوا تو ہم نے...... آپس میں اپنی استطاعت کے مطابق اپنی اصلاح کے لیے کئی طریقے اختیار کیے...... ہم میں زبان کے بیمار کئی طرح کے تھے:

۱۔ زیادہ گپ شپ کرنے اور بولنے والے۔

۲۔ کثرت سے جھوٹ بولنے والے۔

۳۔ معلومات حاصل کرنے اور تجسس کے شوقین کہ ہر کسی کی ہر بات ان کو معلوم ہو

۴۔ فحش اور بے ہودہ باتیں کرنے والے۔

۵۔ ہر وقت فتنے اور اختلاف کی باتیں ڈھونڈنے اور کرنے والے۔

۶۔ سخت بولنے والے۔

۷۔ ادھر ادھر کی اڑانے والے، افواہیں پھیلانے والے۔

الغرض یہ بہت بڑا جنگل ہے...... انسان کی زبان جب سانپ بن جائے تو ایمان سمیت ہر چیز کو ڈستی ہے...... ایک ہی لفظ ادا کرنے سے نکاح جیسا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے...... اور کلمہ کفر بکنے سے سالہا سال کا

ایمان اور اعمال سب ضائع ہو جاتے ہیں ...... ان تمام بیماریوں کی اصلاح کے لیے جو نصاب اختیار کیے گئے ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ کچھ دن کی مکمل خاموشی اختیار کرائی جاتی تھی...... اکثر رمضان المبارک کے آخری عشرے میں یہ کام آسان ہوتا تھا ...... کیونکہ انسان ویسے ہی تلاوت، ذکر، تراویح اور عبادت میں مشغول ہوتا ہے ...... بعض ساتھی جو بہت بولتے تھے خاموشی کے ان ایام میں ان کے چہروں پر ''نور'' صاف نظر آتا تھا...... کیونکہ زیادہ بک بک سے چہرے اور آنکھوں کا نور ختم ہو جاتا ہے...... مگر بعض ساتھیوں پر یہ عمل بہت بھاری ہوتا تھا وہ غلطی سے یا چھپ کر اپنی پیاس بجھا لیتے تھے...... اس پر بعض دفعہ دلچسپ لطیفے بھی ہو جاتے تھے......

۲۔ جھوٹ بولنے والوں کو ایک چھوٹی سی ڈائری دی جاتی تھی کہ...... روزانہ جب جھوٹ بولیں اس کا اندراج کر لیں ...... رات کو سوتے وقت گنیں کہ کتنے جھوٹ چھوڑے ہیں...... پھر اتنی بار توبہ کر لیں ...... ایک ساتھی نے یہ عمل شروع کیا پہلے دن رات کو ان کے پاس تیس جھوٹ بولنے کا ریکارڈ تھا...... مگر احساس اور استغفار کی برکت سے ان کو فائدہ ملا تو چند دن بعد بندہ نے پوچھا تو انہوں نے بتایا آج صرف چار ہوئے ہیں......

۳۔ تجسس کے مریضوں کا علاج مشکل تھا...... وہ جن دو افراد کو آپس میں باتیں کرتا دیکھ لیتے ان کی خواہش ہوتی کہ انہیں اس بات چیت کی پوری تفصیل معلوم ہونی چاہئے...... اپنے اس شوق کی خاطر کافی ذلت اٹھاتے اور دوسروں کی برائیوں کا گند اپنے سر لیتے...... ان کو سورۃ حجرات میں اللہ تعالیٰ کا حکم کہ تجسس نہ کرو...... اور تجسس کی بے شمار خرابیاں بتائی جاتیں ...... الحمد للہ کچھ فائدہ ہو جاتا تھا...... اور جس کو یہ خیال نصیب ہو جاتا کہ زیادہ معلومات میرے ایمان اور آخرت کے لیے نقصان دہ ہیں...... اور مجھے اپنا حساب دینا ہے اسی کی فکر کروں تو اس کی جان اس بیماری سے چھوٹ جاتی......

باقی رہی غیبت تو وہ بہت خطرناک

بیماری ہے...... اس کے علاج کے لیے غیبت کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث مبارکہ کا آپس میں مذاکرہ مفید ہے...... اور ذمہ دار ساتھیوں نے باہم یہ وعدہ کرلیا کہ جو کوئی ان کے سامنے کسی کی غیبت کرے گا وہ ان دونوں کو آمنے سامنے کرادیں گے...... الحمدللہ اس عمل سے بہت فائدہ ہوا......

حضرت اقدس تھانویؒ یا کسی اور بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کی اہلیہ نے ان کے سامنے کسی خاتون کی غیبت کی...... وہ فوراً اپنی اہلیہ کو لیکر اس خاتون کے گھر چلے گئے اور بتایا کہ میری اہلیہ صاحبہ آپ کے بارے میں یہ بات کرتی ہے کیا آپ نے ایسا کیا ہے؟...... اس پر اہلیہ کو کافی شرمندگی ہوئی اور آئندہ کے لیے غیبت سے مکمل پرہیز ہوگیا......

خیر یہ ایک مفصل موضوع اور ایک پھیلی ہوئی بیماری ہے...... بندہ نے کتاب کا نام عرض کردیا ہے اس باب کو پڑھ لیں...... اور عمل کی نیت سے پڑھیں تو ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا...... کم از کم اتنا تو معلوم ہوجائے گا کہ فلاں باتیں گناہ ہیں پھر ان پر توبہ کی توفیق مل جائے گی...... اگر کوئی انسان گناہ نہیں چھوڑ سکتا تو اتنا تو کرسکتا ہے کہ گناہ کو گناہ سمجھے اور اس پر توبہ کرتا رہے...... اور اس سے نفرت رکھے......

بات موبائل فون کی چل رہی تھی......

آج کل موبائل فون کا جس قدر غلط، فضول اور حرام استعمال ہو رہا ہے تو اگر کسی کا ایک سیٹ اور سم ہی نامہ اعمال میں رکھ دی جائے تو (نعوذ باللہ) بربادی کے لیے کافی ہوجائے......

میں اکثر عرض کرتا ہوں کہ امریکہ اور یورپ مجاہدین کو شکست نہیں دے سکتے...... مجاہدین کو موبائل فون، کمپیوٹر اور ٹی وی شکست دیتے ہیں...... مجاہدین کی باہم نا اتفاقی، ذاتی عزت کا شوق، اجتماعی اموال میں بے احتیاطی...... اور زبان کا غلط استعمال ان کو پستیوں میں ڈال دیتا ہے......

کیمرے والے موبائل سے بے دھڑک اپنے چھوٹے بچوں اور بچیوں کی تصویریں ہر کوئی بنا رہا ہے...... اللہ کے

بندو! اپنی بیٹی کو بھی کوئی کیمرے کے سامنے لاتا ہے؟......کیا غیرت کا ایسا جنازہ نکل گیا ہے کہ معصوم بچے اور بچیاں تک تصویروں کی زد میں ہیں......

ظالموں نے ایک کوشش کی اور وہ اس میں کامیاب جارہے ہیں کہ گناہ کا احساس اور خوف مسلمانوں کے دل سے نکل جائے...... پہلے بھی مسلمان گناہگار تھے مگر وہ احساس رکھتے تھے کہ یہ کام گناہ کا ہے چنانچہ روتے بھی تھے...... توبہ استغفار بھی کرتے تھے اور اپنی اصلاح کی فکر اور دعاء بھی کرتے تھے...... مگر اب نہ ٹی وی گناہ، نہ ویڈیو گناہ، نہ کیمرہ گناہ، نہ بے پردگی گناہ...... اور نہ فلم بازی اور تصویر سازی گناہ......

انا اللہ وانا الیہ راجعون

ایک نیا فتنہ

یہودیوں اور قادیانیوں نے امن کے حق میں بڑے بڑے اشتہار بنائے ہیں ...... اور ہر اخبار پیسے کے لالچ میں ان اشتہارات کو چھاپ رہا ہے......

جہاد اسلام کا ایک قطعی فریضہ ہے...... اور قرآن پاک کا حکم ہے...... یہ تمام اشتہارات جہاد کے خلاف ہیں...... مگر کسی اخبار کے مالک میں جرأت نہیں کہ وہ حرام کے نوٹ ٹھکرا کر ان اشتہارات کو نہ چھاپے...... اہل علم اور اہل دل سے گزارش ہے کہ ان ناپاک اشتہارات کے خلاف محنت کریں...... اور موبائل فون سمیت ہر نئی ایجاد کے بارے میں شرعی احکامات امت تک پہنچائیں...... تاکہ ان چیزوں کو حلال کے دائرے میں استعمال کیا جائے......

اور ہم میں سے کسی کا موبائل فون اس کے لیے قبر کا موبائل سانپ یا آخرت کا عذاب نہ بنے......

یا ارحم الراحمین معاف فرمائیے، رحم فرمائیے، نصرت فرمائیے......

......آمین یا ارحم الراحمین......

وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد وآلہٖ وصحبہٖ وسلم تسلیماً کثیرا کثیرا کثیرا

☆☆☆☆☆

کنویں کا راز

عمار حسین

میں ایک کنواں ہوں اور میرا مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ اس مقام کو بدر کہتے ہیں۔ جب آپ مکہ سے مدینہ جائیں گے تو میرے پاس سے گزریں گے۔ میرے پاس پانی پینے کی غرض سے راہ گیر بھی آتے ہیں اور چرواہے بھی۔

ایک دن میری زندگی میں ایسا آیا، جس کا بعد میرا چرچا نہ صرف تمام عرب میں ہوا بلکہ آج تک وہ واقعہ اسلام کی تاریخ میں ایک سنہری باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بات سن ہجری کے دوسرے سال، ماہِ رمضان کی سترہ تاریخ کی ہے۔

ہوا یوں کہ جب مکہ کے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ جا بسے اور وہاں خوش و خرم رہنے لگے تو مکہ کے کافر بہت طیش میں آگئے۔ مکہ کے مہاجر اپنا سارا سامان قریش کے پاس چھوڑ آئے تھے۔ اگرچہ مدینے والوں نے ان کی بہت مدد کی، مگر مکہ سے آتے ہوئے مسلمانوں پر یہ بات بہت گراں گزرتی تھی کہ وہ مدینے کے لوگوں پر بوجھ بنے رہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں۔

انہیں ایک دن اطلاع ملی کہ قریش کا سامان سے لدا ہوا ایک قافلہ شام کی جانب سے آرہا ہے۔ اس قافلے کا سردار ابوسفیان تھا۔ مہاجرین نے یہ مشورہ کیا کہ اس قافلے کو روک کر اس کا سامان، اس مال و دولت کے عوض جو وہ مکہ میں کافروں کے پاس چھوڑ آئے تھے، چھین لیں۔

جب یہ خبر قریش تک پہنچی تو وہ آگ بگولہ ہو گئے۔ ان کا غصہ اور بھی بڑھ گیا۔ جب انہیں یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آیا ہوا ایک دستہ، جو ابوسفیان کے قافلے کی خبر لینے آیا تھا، کچھ کافروں پر

حملہ آور ہوا، اور اس لڑائی میں مسلمانوں نے دو کو گرفتار کر لیا اور ایک کو مار دیا۔

بس کیا تھا، کفار نے فوراً باہر نکل کر مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک ہزار کا لشکر، جس میں ایک سو گھوڑے تھے، مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے مکہ سے چلا۔

ادھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور نبی کے ساتھیوں نے کافروں کا مقابلہ کرنے کے لیے پیش قدمی کی۔ مسلمانوں کا لشکر کفار کے لشکر کے ایک تہائی سے بھی کم تھا۔ کل 313 لوگ تھے، اور سوائے دو گھوڑوں کے ان کے پاس کچھ بھی تو نہ تھا۔

جب مسلمان بدر کے مقام پر پہنچے تو ایک صحابی کے مشورے سے انہوں نے میرے قریب پڑاؤ کیا، تاکہ وہ مجھ سے پانی حاصل کرتے رہیں اور کافروں کو یہ پانی نہ مل سکے۔ مسلمانوں نے میرے قریب ایک حوض بنایا، جس سے وہ خود بھی پانی پیتے تھے اور اپنے جانوروں کو بھی پلاتے تھے۔

ادھر اپنے ساز و سامان اور ہتھیاروں سے لیس، گھوڑوں سمیت، کافر بھی آ پہنچے۔ جب قریش کو مسلمانوں کی اس حکمتِ عملی کا پتا لگا کہ مسلمانوں نے کنویں پر قبضہ کر لیا ہے تو ان میں سے ایک کافر نے قسم کھائی کہ وہ مسلمانوں کا گھیرا توڑ کر پانی پیے گا اور پھر میرے حوض کو ڈھا دے گا۔ پیارے نبی کے چچا حضرت حمزہؓ آگے بڑھے اور اس کافر کا کام تمام کر دیا۔

پرانے زمانے میں جنگ کا یہی طریقہ تھا کہ پہلے ایک سپاہی آگے نکلتا اور مخالف فوج سے کسی ایک کو للکارتا۔ ایک ایک کی لڑائی کے بعد گھمسان کا رن پڑتا۔

اس دستور کے مطابق عتبہ، جس کے طائف میں انگوروں کے باغ تھے، اور اس کا بھائی شیبہ اور اس کا بیٹا ولید آگے بڑھے اور چیلنج کیا کہ ہے کوئی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ساتھی جو ہم سے مقابلہ کرے؟ اس چیلنج کے جواب میں مدینہ کے کچھ انصار آگے بڑھے، لیکن کفار نے اصرار کیا کہ وہ مکہ کے مہاجرین سے لڑنے آئے ہیں۔

یہ بات سن کر حضرت حمزہؓ، نبی کے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہ بن حارثؓ آگے بڑھے، اور ان تینوں نے اپنے مخالفین کو ختم کر دیا۔ اس پر کافروں کا

سردار ابوجہل چلّا اٹھا:

''اے قریش والو! آگے بڑھو!''

مسلمانوں نے پہل نہ کی اور کافروں کے حملے کا انتظار کیا۔ جونہی کفار قریب آئے، مسلمان شیروں کی طرح ان پر جھپٹے اور ان کی صفوں کو چیرنا شروع کر دیا۔ مسلمان ''اللہ اکبر، اللہ اکبر'' کا نعرہ بلند کر رہے تھے۔ لڑائی زوروں پر تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کافروں کی بڑی تعداد اور اسلحہ دیکھ کر گھبرا گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ اللہ سے مدد مانگیں۔

ادھر لڑائی زوروں پر تھی اور ادھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کے حضور سجدے میں گرے، یہ کہہ رہے تھے:

''یا حی، یا قیوم! یا حی، یا قیوم!'' یعنی اے ہمیشہ زندہ رہنے والے! اے قائم و دائم رہنے والے!

کافی دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے سے اٹھے اور ایک مٹھی بھر ریت کافروں کی طرف پھینک دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور دیگر مسلمانوں کو خوش خبری دی کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی۔

یہ سننا تھا کہ مسلمانوں کی آوازیں اور بلند ہوئیں، اور وہ زیادہ زور و شور سے کافروں پر وار کرنے لگے۔ ادھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو بتا رہے تھے کہ اللہ نے ان کی فتح کا وعدہ کیا ہے، اور یہ کہ جو مسلمان اس جنگ میں کام آ گیا، اس کو جنت ملے گی۔

یہ سن کر ایک صحابی حضرت عمیر بن حمام انصاری رضی اللہ عنہ کھجوریں لیے کھا رہے تھے، بولے: ''اوہ! کیا اچھی بات ہے کہ میرے اور جنت میں داخلے کے درمیان کچھ بھی فرق نہیں، ماسوائے اس کے کہ میں شہید ہو جاؤں۔'' یہ کہہ کر انھوں نے کھجوریں ہاتھ سے پھینکیں اور کافروں پر زوردار حملہ کیا، حتیٰ کہ خود شہید ہو گئے۔

یہ ایک ایسا معرکہ تھا جس میں اسلحہ سے لیس ایک ہزار کافر تھے۔ ان میں سے سو گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کے مقابلے میں صرف تین سو تیرہ مسلمان تھے، جو جنگ کے معاملے میں زیادہ تجربہ نہ رکھتے تھے، اور ان کے پاس ہتھیاروں کی بھی کمی تھی۔ یعنی یوں سمجھ لیجیے کہ ایک جانب کفر ہتھیاروں سمیت تھا اور دوسری طرف ایمان،

شجاعت اور حق۔ فتح آخر حق ہی کی ہوئی۔

جو کچھ میں نے دیکھا، اگر کوئی اور وہاں ہوتا تو اس کا دل دہل جاتا۔ قریش کے ساتھ بڑے بڑے سورما تھے، لیکن ان میں سے ستر مارے گئے اور ستر قیدی ہو گئے، تو قریش میدان سے بھاگنے لگے۔ مرنے والوں میں ابوجہل بھی تھا۔ نبی ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھا کر کافر مکہ لوٹ رہے تھے۔ ان میں سے بیشتر زخمی تھے۔ ادھر مسلمان کامیاب و کامران، ستر قیدی اور بہت سا مالِ غنیمت لیے مدینہ واپس ہوئے۔ مسلمانوں کے صرف چودہ ساتھی میرے قریب شہید ہوئے۔ ان شہیدوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ زندہ ہیں اور اللہ کے ہاں ان کو رزق ملتا ہے۔

یہ فتح ایک معجزہ تھی۔ جب مسلمان مدینہ واپس پہنچے تو مدینہ کے مسلمانوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ مدینہ کے وہ لوگ، جو اب تک ایمان نہ لائے تھے، صرف اس وجہ سے اسلام میں داخل ہو گئے کہ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ دین سچا ہے اور اسے اللہ کی مدد حاصل ہے۔ مسلمانوں نے قیدیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ کچھ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا، اور جو فدیہ دینے کے قابل نہ تھے، ان سے کہا گیا کہ جو دس مسلمانوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دے، اسے آزاد کر دیا جائے گا۔

میں ایک ایسا یادگار کنواں ہوں جہاں مسلمانوں نے باطل کے خلاف پہلی جنگ لڑی اور فتح حاصل کی۔ میں نے حق کو غلبہ پاتے اور باطل کو بھاگتے دیکھا۔

ترجمہ:

"بے شک باطل مٹنے والا ہے۔ بے شک باطل مٹنے والا ہی ہے۔"

سورۂ بنی اسرائیل، آیت (81)

قرآنِ کریم میں اسی معرکے کا ذکر اس طرح آیا ہے:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے جنگِ بدر میں تمہاری مدد فرمائی، حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے، لہٰذا تمہیں چاہیے کہ اللہ کی ناشکری سے بچو، امید ہے کہ اب تم شکر گزار بنو گے۔" سورۂ آلِ عمران، آیت (123)

☆☆☆☆☆

عربی گھوڑے

بنت کلثوم

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں بعض جانوروں کو ایسی خصوصیات عطا فرمائی ہیں جو انہیں دیگر جانوروں سے ممتاز کر دیتی ہیں۔

گھوڑا انہی جانوروں میں سے ایک ہے جسے قدیم زمانے سے قوت، وفاداری، خوبصورتی، رفتار اور شجاعت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

انسانی تہذیب کی ترقی، جنگی فتوحات، تجارت اور سفر میں گھوڑوں نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

دنیا میں گھوڑوں کی بے شمار نسلیں پائی جاتی ہیں لیکن عربی گھوڑا (Arabian Horse) اپنی خوبصورتی، ذہانت، برداشت اور خالص نسب کی وجہ سے تمام نسلوں میں منفرد مقام رکھتا ہے۔

عربی گھوڑا صرف ایک جانور نہیں بلکہ عرب تہذیب، اسلامی تاریخ اور انسانی تمدن کا ایک اہم حصہ ہے۔ دنیا کی تقریباً تمام جدید گھوڑا نسلوں میں عربی گھوڑے کے خون کا اثر پایا جاتا ہے۔

اسی لیے اسے دنیا کی قدیم ترین اور

باا ثر نسلوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

عربی گھوڑے کی تاریخ

عربی گھوڑے کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے۔ مؤرخین کے مطابق عربی گھوڑے کی باقاعدہ پرورش جزیرۂ عرب میں تقریباً چار سے پانچ ہزار سال قبل شروع ہوئی۔

عرب قبائل نے صحرائی ماحول میں ان گھوڑوں کی نسل کشی کی اور انہیں انتہائی خالص حالت میں محفوظ رکھا۔

عرب بدو قبائل اپنے گھوڑوں کو خاندان کے افراد کی طرح عزیز رکھتے تھے۔

وہ انہیں خیموں میں اپنے ساتھ رکھتے، ان کی خوراک کا خاص خیال کرتے اور ان کے نسب و شجرے کو محفوظ رکھتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ عربی گھوڑے کی نسل دنیا کی سب سے زیادہ دستاویزی اور محفوظ نسل سمجھی جاتی ہے۔

اسلام کے ظہور سے قبل بھی عربی گھوڑے عرب قبائل کی قوت اور فخر کی علامت تھے۔ جنگوں، سفر اور تجارت میں انہی گھوڑوں پر انحصار کیا جاتا تھا۔

اسلامی تاریخ میں عربی گھوڑے

اسلامی تاریخ میں گھوڑوں کو غیر معمولی اہمیت حاصل رہی ہے۔

قرآنِ مجید میں گھوڑوں کا ذکر مختلف مقامات پر آیا ہے۔

سورۃ العادیات میں اللہ تعالیٰ نے دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی قسم کھائی ہے:

"وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا"

اسی طرح سورۃ انفال میں ارشاد فرمایا گیا:

''وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ''

یعنی دشمنوں کے مقابلے کے لیے گھوڑے تیار رکھنے کا حکم دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو بھی گھوڑوں سے خصوصی محبت تھی۔ آپ ﷺ کے متعدد گھوڑوں کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں، جن میں سب سے مشہور ''السکب'' تھا۔

خلفائے راشدین، بنو امیہ، بنو عباس اور بعد کے اسلامی ادوار میں عربی گھوڑوں

نے اسلامی فتوحات میں اہم کردار ادا کیا۔

شام، عراق، مصر، ایران، شمالی افریقہ اور اندلس کی فتوحات میں عربی گھوڑے مسلمانوں کے قابل اعتماد ساتھی ثابت ہوئے۔

عربی گھوڑے کی جسمانی خصوصیات

عربی گھوڑا اپنی منفرد جسمانی ساخت کی وجہ سے دنیا بھر میں آسانی سے پہچانا جاتا ہے۔

1۔ سر کی ساخت

عربی گھوڑے کا سر نسبتاً چھوٹا اور نفیس ہوتا ہے۔ اس کی پیشانی چوڑی اور چہرہ قدرے مقعر (Dished Face) ہوتا ہے جو اسے دیگر نسلوں سے ممتاز بناتا ہے۔

2۔ بڑی آنکھیں

عربی گھوڑے کی آنکھیں بڑی، روشن اور ذہانت کی عکاس ہوتی ہیں۔

ان آنکھوں میں چوکسی اور حساسیت نمایاں ہوتی ہے۔

3۔ نتھنے

اس کے نتھنے بڑے اور کھلے ہوتے ہیں جو صحرائی ماحول میں زیادہ آکسیجن حاصل کرنے میں مدد دیتے ہیں۔

4۔ گردن

عربی گھوڑے کی گردن لمبی، خوبصورت اور محرابی شکل رکھتی ہے جو اس کی شان وشوکت میں اضافہ کرتی ہے۔

5۔ دم کی ساخت

عربی گھوڑا دوڑتے وقت اپنی دم کو بلند رکھتا ہے، جو اس نسل کی ایک نمایاں پہچان سمجھی جاتی ہے۔

6۔ قد وقامت

عموماً عربی گھوڑے کا قد 14.1 سے 15.1 ہینڈز (تقریباً 145 تا 155 سینٹی میٹر) کے درمیان ہوتا ہے۔

اگرچہ یہ بعض دیگر نسلوں کی نسبت چھوٹا ہوتا ہے، لیکن قوت اور برداشت میں بے مثال ہے۔

عربی گھوڑے کی ذہانت

عربی گھوڑا دنیا کی ذہین ترین گھوڑا نسلوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

یہ اپنے مالک کو پہچانتا ہے، جلد

تربیت حاصل کرتا ہے اور انسان کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کرتا ہے۔

عرب بدو قبائل کے ساتھ صدیوں تک رہنے کے باعث اس نسل میں انسان دوستی اور وفاداری کی خصوصیات نمایاں ہو چکی ہیں۔

برداشت اور قوت

عربی گھوڑے کی سب سے اہم خصوصیت اس کی غیر معمولی برداشت (Endurance) ہے۔

یہ گھوڑا صحرائی علاقوں میں طویل فاصلے کم پانی اور خوراک کے باوجود طے کر سکتا ہے۔

اسی وجہ سے آج بھی دنیا بھر کے Endurance Racing مقابلوں میں عربی گھوڑوں کا غلبہ نظر آتا ہے۔

عربی گھوڑے کے مشہور خون (Bloodlines)

قدیم عرب قبائل مختلف خاندانوں کے عربی گھوڑوں کو محفوظ رکھتے تھے۔

ان میں چند مشہور خون درج ذیل ہیں:

1۔ کوحیلان (Kehilan)

یہ طاقت، مضبوطی اور جنگی صلاحیت کے لیے مشہور خون ہے۔

2۔ صقلاوی (Saqlawi)

یہ خوبصورتی، نفاست اور شاندار جسمانی ساخت کے لیے مشہور ہے۔

3۔ عبیان (Abeyan)

یہ متوازن ساخت اور بہترین کارکردگی کے لیے جانا جاتا ہے۔

4۔ حمدانی (Hamdani)

یہ بڑے جسم، قوت اور برداشت کے لیے معروف ہے۔

5۔ ھدبان (Hadban)

یہ مضبوط ہڈیوں اور کھیلوں میں اچھی کارکردگی کی وجہ سے مشہور ہے۔

دنیا کی دیگر نسلوں پر اثرات

عربی گھوڑے نے دنیا کی متعدد نسلوں کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔

ان میں شامل ہیں:

تھرو برڈ

انگلو عربین

شگیہ عربین

مورگن (Morgan)

اورلوف ٹراٹر

بہت سے ماہرین کا خیال ہے کہ جدید گھوڑا نسلوں کی رفتار، برداشت اور خوبصورتی میں عربی خون کا بڑا حصہ ہے۔

عربی گھوڑا دنیا کی قدیم ترین، خالص ترین اور بااثر گھوڑا نسلوں میں سے ایک ہے۔

اس کی تاریخ عرب تہذیب، اسلامی فتوحات اور انسانی تمدن کے ساتھ گہرا تعلق رکھتی ہے۔

خوبصورتی، وفاداری، ذہانت، رفتار اور برداشت جیسی خصوصیات نے اسے صدیوں سے ممتاز رکھا ہے۔

آج بھی عربی گھوڑا دنیا بھر میں وقار، شرافت اور اعلیٰ نسل کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ گھوڑوں کے شوقین افراد اور ماہرین نسل کشی کے نزدیک عربی گھوڑا محض ایک جانور نہیں بلکہ تاریخ، تہذیب اور اعلیٰ وراثت کا ایک زندہ نمونہ ہے۔

☆☆☆☆☆

نفاق کی ایک علامت و خصلت

جذبہ جہاد سے عاری ہونا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ، وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ، مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ۔

[صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۹۱۰، و ابوداود رقم الحدیث: ۲۵۰۲]

”جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے جہاد کیا نہ اس کے دل میں جہاد کا خیال آیا تو وہ ایک قسم کی منافقت پر فوت ہوا۔“

معلوم ہوا مؤمن کے دل میں جذبہ جہاد ضرور ہونا چاہیے، دل کا جذبہ جہاد سے عاری و خالی ہونا نفاق کی علامت و خصلت ہے۔

بہادر ماں

بنت حوا

"اور زور سے... ہمت کرو۔ کیا عورتوں کی طرح کراہنے لگے ہو؟ چلو، چلو! جلدی یہ پتھر اٹھاؤ!"

مکہ کی گلیوں میں اس وقت اُس خوبصورت مگر بارعب خاتون کی آواز گونج رہی تھی۔

"خبردار، زبیر! خبردار، جو اِس پتھر کو نیچے گرایا تو۔" وہ اپنے تیرہ سالہ بیٹے کو ڈنڈے سے مارتے ہوئے بولیں۔ ڈنڈا کھانے کے باوجود بیٹے کے ہاتھوں سے پتھر ذرا بھی نہ ڈگمگایا۔

"واللہ! یہ عورت تو اپنے بیٹے کی جان ہی لے لے گی۔" قبیلے کے ایک شخص نے یہ منظر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ اپنے بیٹے سے روزانہ ہی محنت و مشقت والے کام لیتی ہیں اور غلطی پر اسی طرح مارتی بھی ہیں۔" دوسرے شخص نے جواب دیا۔

"مجھے اسے روکنا چاہیے۔" یہ کہہ کر وہ شخص آگے بڑھا، اس کے ساتھ دو تین لوگ اور بھی ہو لیے۔

"اے بنتِ عبدالمطلب! کیا تم اسے جان سے مار دو گی؟ اس طرح بھی کوئی اپنے بیٹے کو مارتا ہے؟"

اُس شخص نے خاتون کے قریب

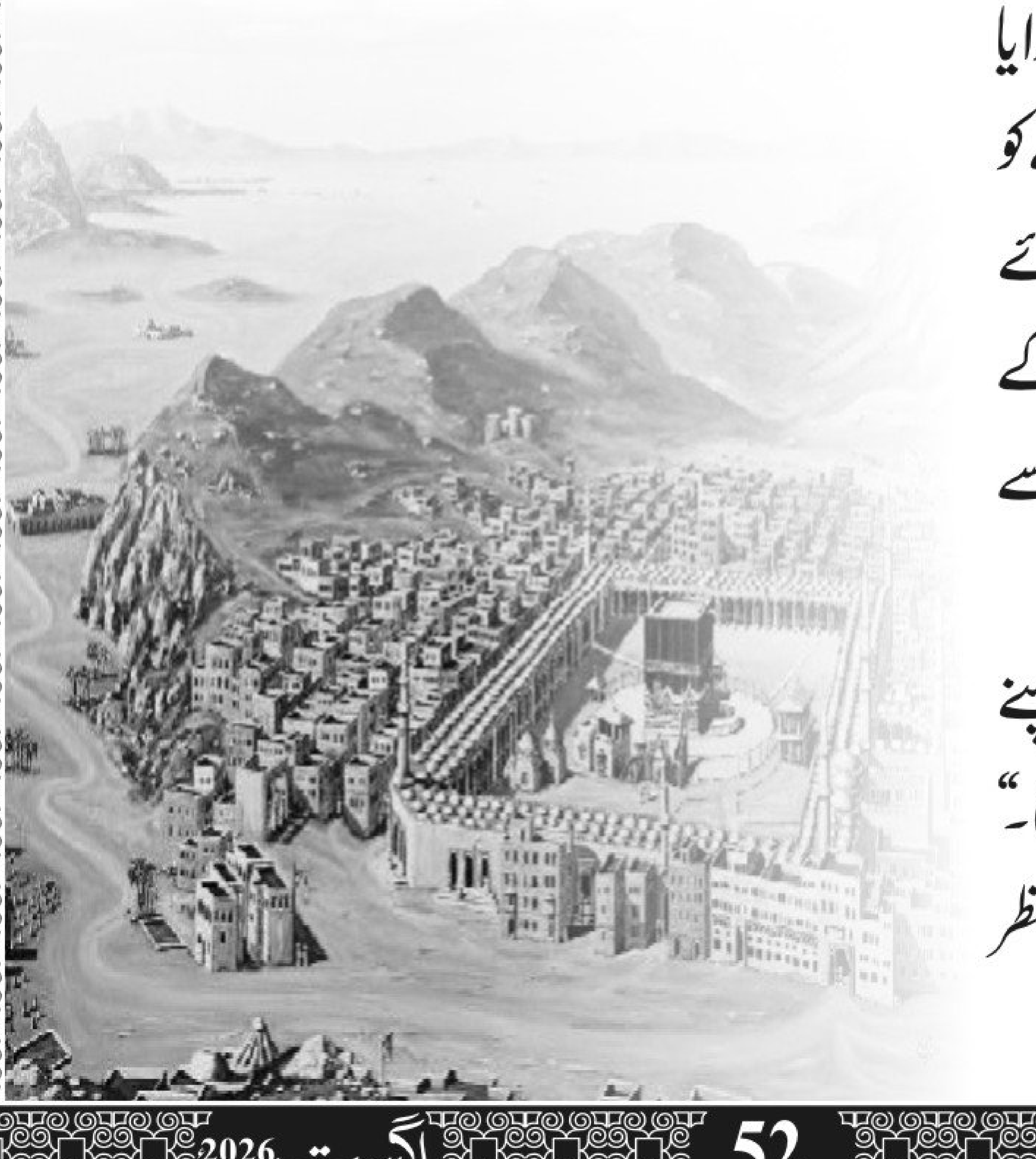

آتے ہوئے کہا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میں اسے جان سے مار دوں گی؟ تمہیں لگتا ہے کہ میں اِس کی دشمن ہوں؟ واللہ! ہرگز نہیں۔ میں تو اسے مضبوط بنا رہی ہوں۔ یہ مشقت برداشت کرکے میرا بیٹا پورے مکہ کا سب سے بہادر اور طاقتور مجاہد بنے گا۔ آج اگر اس نے سختی برداشت نہ کی تو کل میدانِ جنگ میں دشمن کے سامنے گر پڑے گا۔"

خاتون کی یہ بات سن کر لوگ خاموش ہو گئے اور ان کے چہروں سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ اس کی بات سے متفق ہیں۔

یہ بہادر اور نڈر خاتون، حضور اکرم ﷺ کی سگی پھوپھی، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب تھیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بے خوف، باہمت اور غیر معمولی عزم و ہمت کی مالک تھیں۔

آپ ابولہب کی شدید مخالفت کے باوجود حضور اکرم ﷺ پر ایمان لانے والی آپ ﷺ کی واحد پھوپھی تھیں۔

آپ عمر میں بھی تقریباً حضور ﷺ کی ہم عمر تھیں۔ آپ کے صاحبزادے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نہ صرف جلیل القدر صحابی ہوئے بلکہ عشرۂ مبشرہ اور حواریٔ رسول ﷺ ہونے کا عظیم شرف بھی حاصل کیا۔

ایک روز حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا جھگڑا ایک پہلوان سے ہو گیا۔ اس وقت آپ ابھی کم عمر تھے۔ پہلوان نے آپ کو بچہ سمجھ کر مارنا چاہا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ ہی توڑ ڈالا۔

وہ غصے میں بھر کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت لے کر پہنچا تو انہوں نے اسے دیکھتے ہی فرمایا:

"یہ سب چھوڑو، پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے زبیر کو کیسا پایا؟"

یعنی میرا بیٹا طاقتور ثابت ہوا یا نہیں؟

☆☆☆☆☆

تاریخِ اسلام میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایسے قابلِ رشک کارنامے انجام دیے ہیں جن کی مثال بہت کم ملتی ہے۔

جب غزوۂ اُحد میں عبداللہ بن اُبی کی منافقت کے باعث اس کا ٹولہ میدانِ جنگ سے واپس پلٹ آیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے انہیں مدینہ میں دیکھا۔

آپ غصے سے بولیں:

"شرم کرو! رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر واپس آ گئے ہو، بے شرمو!"

یہ کہہ کر آپ نے کمر پر پانی کا مشکیزہ لٹکایا اور میدانِ اُحد کی طرف روانہ ہو گئیں کہ شاید آقا ﷺ کو پانی کی ضرورت ہو۔

جب آپ میدانِ اُحد پہنچیں تو آپ کے سگے بھائی حضرت حمزہؓ شہید ہو چکے تھے اور مشرکین نے ان کے جسدِ مبارک کے ساتھ انتہائی توہین آمیز سلوک کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی پھوپھی کو آتے دیکھا تو حضرت زبیرؓ سے فرمایا:

"اپنی والدہ کو روک لو۔ انہیں حمزہؓ کو نہیں دیکھنا چاہیے، وہ برداشت نہیں کر سکیں گی۔"

حضرت زبیرؓ نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنی والدہ کا راستہ روک لیا۔

"سامنے سے ہٹ جاؤ! مجھے آقا ﷺ کو صحیح سلامت دیکھ لینے دو۔" انہوں نے حضرت زبیرؓ کو ڈانٹا۔

حضرت زبیرؓ نے عرض کیا:

"والدہ! ماموں شہید ہو چکے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے آپ کو ان کا جسدِ مبارک دیکھنے سے منع فرمایا ہے کہ آپ برداشت نہیں کر سکیں گی۔"

حضرت صفیہؓ نے نہایت مضبوط لہجے میں فرمایا:

"اللہ کی راہ میں یہ قربانی تو بہت چھوٹی ہے۔ کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں اس پر ناراض ہوں گی؟ مجھے اپنے آقا ﷺ اور اپنے بھائی کو دیکھ لینے دو!"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اجازت عطا فرما دی۔

حضرت صفیہؓ نے اپنے پیارے بھائی کا جسدِ مبارک دیکھا اور فرمایا:

"إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔"

بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔"

ان کا یہ صبر اور استقامت اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ وہ واقعی مضبوط اعصاب اور بلند حوصلے کی مالک خاتون تھیں۔

☆☆☆☆☆

غزوۂ خندق کا موقع تھا۔ تمام صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ میدانِ جنگ میں تھے، جبکہ تمام خواتین اور بچوں کو

حفاظت کی غرض سے انصارِ مدینہ کی ایک مضبوط حویلی میں رکھا گیا تھا۔ ان کی حفاظت کی ذمہ داری حضرت حسان بن ثابتؓ، شاعرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد تھی۔

تمام خواتین حویلی میں موجود تھیں کہ اچانک حضرت صفیہؓ نے ایک شخص کو حویلی کے گرد چکر لگاتے دیکھا۔

"یہ تو کوئی یہودی ہے۔" آپ نے فوراً پہچان لیا۔

حضرت صفیہؓ نے سوچا:

"اگر اس یہودی کو معلوم ہوگیا کہ یہاں صرف عورتیں اور بچے ہیں تو وہ اپنے ساتھیوں کو اطلاع دے گا، اور دشمن مسلمانوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھائے گا۔ اسے ابھی ختم کر دینا چاہیے۔"

"اچھا، پھر میں خود ہی اس یہودی کی خبر لیتی ہوں۔"

یہ کہہ کر آپ نے قریب پڑا ہوا ایک مضبوط لکڑی کا ڈنڈا اٹھایا اور باہر نکل آئیں۔

وہ یہودی مسلح تھا، جبکہ حضرت صفیہؓ کے ہاتھ میں صرف ایک لکڑی تھی، لیکن آپ نے بے مثال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس پر حملہ کیا اور اسے اسی ڈنڈے سے مار مار کر ہلاک کر دیا، پھر بڑے اطمینان سے واپس حویلی میں آ گئیں۔

آپ نے حضرت حسانؓ سے فرمایا:

"میں اسے قتل کر چکی ہوں، اب آپ جا کر اس کی زرہ اور تلوار لے آئیں۔ چونکہ وہ نامحرم تھا، اس لیے میں نے یہ کام مناسب نہیں سمجھا۔"

حضرت حسانؓ نے فرمایا:

"میرے پاس اپنی زرہ اور تلوار موجود ہے، مجھے اس کے ہتھیاروں کی ضرورت نہیں۔"

حضرت صفیہؓ نے فرمایا:

"کم از کم اس کی گردن ہی کاٹ دیجیے، وہ تو مر چکا ہے۔"

انھوں نے عرض کیا:

"میں یہ بھی نہیں کرسکتا۔"

حضرت صفیہؓ نے فرمایا:

"اللہ کے بندے! پھر یہ تلوار کیوں رکھی ہے؟ مجھے ہی دے دیجیے۔"

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے تلوار ان کے حوالے کر دی۔ حضرت صفیہؓ باہر گئیں، اس

یہودی کا سر تن سے جدا کیا اور اسے قلعے کی فصیل پر لٹکا دیا۔

کچھ ہی دیر بعد ایک اور یہودی اپنے ساتھی کی خبر لینے آیا۔

جونہی اس نے اپنے ساتھی کا کٹا ہوا سر دیکھا، خوف زدہ ہو کر بولا:

"ضرور مسلمانوں نے یہاں اپنا ایک دستہ چھپا رکھا ہے۔

یہاں رکنا خطرناک ہے۔"

یہ کہہ کر وہ فوراً وہاں سے بھاگ نکلا۔

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلبؓ کی اس جرأت مندانہ کارروائی سے نہ صرف یہودی خوف زدہ ہو کر واپس چلے گئے بلکہ دوبارہ اس طرف آنے کی ہمت بھی نہ کر سکے۔

آپؓ کی اس بے مثال بہادری نے مدینہ منورہ میں موجود مسلمان خواتین اور بچوں کی جانیں محفوظ کر دیں۔

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلبؓ نہ صرف غیر معمولی شجاعت و بہادری کی مالک تھیں بلکہ عبادت گزاری، اخلاص اور رسول اللہ ﷺ سے بے پناہ محبت میں بھی نمایاں مقام رکھتی تھیں۔

آپؓ نے ہر موقع پر اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی حفاظت کو اپنی جان سے زیادہ عزیز جانا اور اپنے کردار سے ثابت کر دیا کہ ایمان سے سرشار عورت بھی امت کے لیے عظیم خدمات انجام دے سکتی ہے۔

آپؓ کا روشن کردار قیامت تک مسلمان خواتین کے لیے جرأت، وفاداری، ایثار اور اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کا بہترین نمونہ اور عملی سبق ہے۔

حضرت صفیہؓ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں اپنے ربّ کریم سے جا ملیں۔

حضرت صفیہؓ کی پوری زندگی شجاعت، عزیمت، استقامت اور ایمان کی ایک درخشاں مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان جیسا جذبہ ایمانی، ہمت، صبر اور دین اسلام کے لیے ہر طرح کی قربانی کا حوصلہ عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

آخری قسط

طلب علم کی عظیم داستانیں

عافیہ حفیظ

فقیہ احمد بن حمدان حنبلی رحمۃ اللہ علیہ "صفۃ الفتویٰ والمفتی والمستفتی" میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"میں علم اور سنت کی تلاش میں جگہ جگہ مارا مارا پھرا ہوں۔

سرحدوں، ساحلوں، مغرب کے علاقوں، جزیروں، مکہ، مدینہ، حجاز، یمن، عراق، فارس، خراسان، پہاڑوں اور وادیوں میں گھومتا رہا، پھر بغداد واپس آیا۔"

یہ وہ مقدس لوگ تھے جنھوں نے اپنے آرام، اپنی جوانی اور اپنی زندگیاں علم نبوت کے لیے وقف کر دیں۔

ابو حاتم رازیؒ کا سات سالہ پیدل سفر

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "تقدمۃ الجرح والتعدیل" میں اپنے والد، عظیم محدث امام ابو حاتم محمد بن ادریس رازی رحمۃ اللہ علیہ کے سفر علم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب میں طلب حدیث کے لیے

پہلی مرتبہ نکلا تو مسلسل سات سال سفر میں رہا۔“
وہ فرماتے تھے:
”میں نے اپنے ان پیروں سے ہزار فرسخ سے زیادہ مسافت طے کی۔ ابتدا میں گنتا رہا، مگر جب سفر حد سے بڑھ گیا تو گنتی بھی بھول گیا۔“
وہ فرماتے تھے:
”میں نہ جانے کتنی مرتبہ کوفہ سے بغداد پیدل آیا۔ کئی بار مکہ سے مدینہ پیدل گیا۔
میں مصر پیدل پہنچا، پھر مصر سے رملہ، رملہ سے بیت المقدس، پھر عسقلان، طبریہ، دمشق، حمص، انطاکیہ اور طرطوس تک پیدل سفر کرتا رہا۔“
پھر فرمایا:
”بیٹے! یہ سب سفر میں نے پیدل کیے تھے، پیدل!“
ذرا تصور کیجیے، نہ آرام دہ سواریاں، نہ پختہ سڑکیں، نہ ہوٹل، نہ سہولتیں۔ صرف علم حدیث کی محبت تھی جو ان عظیم انسانوں کو ریگستانوں، پہاڑوں اور اجنبی شہروں میں لیے پھرتی تھی۔
امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
”پہلے سفر کے وقت میری عمر بیس سال تھی۔ سات سال سفر میں گزرے۔ میں رمضان 213ھ میں اپنے وطن رَے سے نکلا اور 221ھ میں واپس پہنچا۔ پھر دوسری مرتبہ نکلا اور کئی برس تک علم کی تلاش میں سرگرداں رہا۔“
یہی وہ قربانیاں تھیں جن کی بدولت آج امت کے پاس احادیث رسول ﷺ کا عظیم اور محفوظ خزانہ موجود ہے۔

حیرت انگیز حافظہ

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ”تذکرۃ الحفاظ“ میں امام شعبی، عامر بن شراحیل کوفی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:
”مجھے آج تک کبھی کسی مسودے کو دوبارہ دیکھنے یا صاف کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی، اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ کسی نے کوئی حدیث بیان کی ہو اور وہ مجھے فوراً یاد نہ ہوگئی ہو۔
پھر کبھی یہ خواہش بھی نہیں ہوئی کہ وہ

حدیث دوبارہ سنائی جائے۔

اب بڑھاپے میں علم کا جو تھوڑا سا حصہ ذہن سے نکل گیا ہے، اگر وہی کسی شخص کو یاد ہو تو وہ بڑا عالم شمار ہو۔“

داؤد رازی کہتے ہیں کہ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

”میں اشعار سب سے کم سناتا ہوں، لیکن اگر چاہوں تو ایک ماہ تک مسلسل اشعار سناتا رہوں اور کسی شعر کو دوبارہ دہرانے کی نوبت نہ آئے۔“

یہ محض حافظہ نہیں تھا بلکہ علم کے ساتھ والہانہ محبت، مسلسل محنت اور غیر معمولی ذہنی یکسوئی کا ثمر تھا۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے کثرت علم کا راز

ابن مدینی روایت کرتے ہیں کہ کسی نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا:

”آپ کو اتنا وسیع علم کیسے حاصل ہوا؟“

انہوں نے فرمایا:

1۔ ”کسی کتاب یا کاپی کے سہارے پر اعتماد نہ کرنے سے۔“

2۔ ”طلب علم کے لیے مختلف شہروں میں سفر کرنے سے۔“

3۔ ”جمادات کی طرح صبر اختیار کرنے سے۔“

4۔ ”اور کوّے کی طرح صبح سویرے بیدار ہونے سے۔“

گویا علم صرف ذہانت سے نہیں بلکہ صبر، محنت، سفر اور بیداری سے حاصل ہوتا ہے۔

عبداللہ بن فروخ قیروانی کا سفر مکہ

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ”ترتیب المدارک“ میں امام عبداللہ بن فروخ فارسی قیروانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 175ھ) کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہیں امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام سفیان ثوری رحمہم اللہ جیسے اکابر کی صحبت نصیب ہوئی۔

عبداللہ بن فروخ فرماتے ہیں:

”میں کوفہ پہنچا اور میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے احادیث سنوں۔ مگر معلوم ہوا کہ وہ کسی وجہ سے طلبہ سے ناراض ہیں اور انہوں نے حدیث پڑھانا بند کر رکھا ہے۔“

وہ فرماتے ہیں:

"میں روزانہ کئی کئی مرتبہ ان کے دروازے پر جاتا، شاید ملاقات کی کوئی صورت نکل آئے۔"

وہ کہتے ہیں:

"ایک دن اچانک ایک باندی نے دروازہ کھولا اور مجھے دیکھ کر پوچھا: تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟"

میں نے اپنا مقصد بیان کیا۔

اس نے پوچھا: "تم کہاں کے رہنے والے ہو؟"

میں نے کہا: "افریقہ کا۔"

یہ سن کر اس کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔ اس نے پوچھا:

"قیروان کو جانتے ہو؟"

میں نے جواب دیا:

"میں وہیں کا رہنے والا ہوں۔"

اس نے پوچھا:

"ابن فروخ کی حویلی جانتے ہو؟"

میں نے کہا:

"میں خود ابن فروخ ہوں۔"

یہ سنتے ہی وہ حیران رہ گئی۔ دراصل وہ ان کے گھر کی ایک باندی تھی جسے بچپن میں فروخت کر دیا گیا تھا۔

وہ فوراً امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئی اور عرض کیا:

"جس آقا کا ذکر میں آپ سے کیا کرتی تھی، وہ دروازے پر موجود ہیں۔"

چنانچہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت شفقت کے ساتھ مجھے اپنے قریب جگہ دی اور احادیث سننے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ یوں مجھے ان سے حدیث حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

فضل شعرانی کا روئے زمین پر سفر

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ "تذکرۃ الحفاظ" میں امام فضل شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 282ھ) کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وہ فن حدیث کے عظیم حافظ اور امام تھے، اور طلب علم میں پوری دنیا کا سفر کر چکے تھے۔"

ابن مؤمل کہتے ہیں:

"ہم کہا کرتے تھے کہ اندلس کے سوا شاید دنیائے اسلام کا کوئی ایسا خطہ نہیں جہاں فضل شعرانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کی

تلاش میں نہ گئے ہوں۔‘‘

’’تذکرۃ الحفاظ‘‘ ہی میں حافظ ارغیانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 312ھ) کے بارے میں مذکور ہے:

’’وہ فن حدیث کے یکتائے زمانہ، نہایت عابد، زاہد اور امت کے پیشوا تھے۔ انہوں نے طلب علم کی خاطر دنیا بھر کا سفر کیا۔‘‘

امام حاکم ابو عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’میں نے اپنے اساتذہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ امام ارغیانی خود فرمایا کرتے تھے:

میرے علم میں دنیائے اسلام کی کوئی ایسی عظیم علمی شخصیت نہیں جس کے پاس میں حدیث سننے کے لیے نہ گیا ہوں۔‘‘

ابن مقری اصبہانیؒ کے چار عظیم سفر

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ’’تذکرۃ الحفاظ‘‘ میں ابن مقری محمد بن ابراہیم اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 381ھ) کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’وہ فن حدیث کے عظیم حافظ، ثقہ اور امام تھے، اور طلب علم میں پوری دنیا کا سفر کر چکے تھے۔‘‘

ابو طاہر احمد بن محمود کہتے ہیں:

’’میں نے خود ابن مقری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے حصول علم کے لیے مشرق و مغرب کا چار مرتبہ چکر لگایا ہے۔‘‘

یہ وہ مقدس ہستیاں تھیں جنہوں نے آرام و آسائش کو چھوڑ کر اپنی زندگیاں علم نبوت کے لیے وقف کر دیں۔

انہی کے اخلاص، قربانیوں اور طویل سفروں کی بدولت آج امت مسلمہ کے پاس احادیث رسول ﷺ کا محفوظ اور عظیم خزانہ موجود ہے۔

ابونصر سجزی کی حیرت انگیز قربانی

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ابو نصر سجزی حدیث کے امام اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے حافظ تھے۔

وہ حدیث کی تلاش میں زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک سفر کرتے رہے۔

ایک مرتبہ ایک خاتون ایک ہزار

دینار لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:

"میں آپ سے نکاح کرنا چاہتی ہوں تا کہ آپ کی خدمت کرسکوں۔"

امام سجزی نے فرمایا:

"میں اپنے وطن سے صرف علم حدیث کیلئے نکلا ہوں۔ اگر میں نکاح اور دنیا کے جھمیلوں میں پڑ گیا تو پھر طالب علم نہ رہوں گا۔"

خطیب تبریزی کا پیدل سفر

قاضی و مؤرخ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ خطیب تبریزی کو علم لغت کی ایک کتاب ملی۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ اس کے مشکل مسائل کسی بڑے ماہر سے سمجھیں۔ لوگوں نے ابو العلاء معری کا نام لیا۔

یہ عاشق علم کتاب کو تھیلے میں ڈال کر تبریز سے معرہ تک پیدل چل پڑا۔ دھوپ اور گرمی کی شدت سے ان کے جسم سے اتنا پسینہ بہا کہ کتاب تک بھیگ گئی۔ دیکھنے والا سمجھتا کہ شاید پانی گر گیا ہے، حالانکہ وہ صرف ایک طالب علم کے پسینے کے قطرے تھے۔

خلیفہ منصور کی حسرت

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور، جس کی سلطنت اندلس سے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی، ایک دن کہنے لگا:

"میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ میں ایک چبوترے پر بیٹھا ہوں اور میرے گرد اصحاب حدیث جمع ہوں، اور میں سند کے ساتھ احادیث نبوی ﷺ بیان کر رہا ہوں۔"

اگلے دن امراء اور وزراء کے بیٹے دواتیں اور کاپیاں لے کر آگئے، مگر منصور نے انہیں دیکھ کر کہا:

"تم اصحاب حدیث نہیں ہو۔

اصحاب حدیث تو وہ لوگ ہیں جن کے کپڑے میلے، پاؤں پھٹے ہوئے، جسم سفر کی مشقت سے کمزور، مگر دل علم نبوی ﷺ کی روشنی سے منور ہوتے ہیں۔"

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

بقیہ: رازِ سربستہ

اس نے عبداللہ بن زبیرؓ کو برا بھلا کہا اور حجاج کو لکھ بھیجا کہ ابن زبیرؓ نے بلندی میں جو اضافہ کیا ہے، اسے تو برقرار رکھا جائے، لیکن حطیم کی طرف کے اضافے کو ختم کر دیا جائے، اور مغربی سمت کے دروازے کو بھی بند کر دیا جائے، اور اس عمارت کو سابقہ حالت کی طرف لوٹا دیا جائے۔

روایت ہے کہ عبدالملک بن مروان ابتدا میں عمارتِ کعبہ کی تجدید پر ابن زبیرؓ کو برا بھلا کہتا تھا، لیکن جب اس کے نزدیک ایک قابل اعتماد شخص نے اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے خود اس حدیث کے سننے کا اقرار کیا تو اس نے اپنے کیے پر افسوس کا اظہار کیا تھا۔

جب ولید بن عبدالملک کی خلافت کا دور آیا تو اس نے مکہ مکرمہ کے گورنر خالد قسری کو ۳۶ ہزار دینار بھیجے۔ اس نے کعبہ کے دروازے، میزاب (پرنالے) اور اندرونی ستونوں وغیرہ پر سونے کے پترے چڑھا دیے۔ اسلامی تاریخ میں ولید بن عبدالملک وہ پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے بیت اللہ میں سونے کا کام کرایا۔

اس کے بعد خلیفہ ہارون رشید نے اپنے دورِ خلافت میں یہ ارادہ کیا کہ خانہ کعبہ کو دوبارہ رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے مطابق تعمیر کر دے، لیکن امام مالکؒ نے اسے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور کہا کہ اللہ کے اس مقدس گھر کو بادشاہوں کے ہاتھوں کھلونا نہ بنائیے کہ ہر بادشاہ اسے توڑتا جائے اور بناتا جائے۔ چنانچہ ہارون رشید اپنے ارادے سے باز رہا۔

سلطان مراد کی تعمیر

مصر کے بادشاہ مرقوق کے دور میں ۸۰۶ھ میں مسجد میں آگ لگ گئی۔ سلطان مرقوق نے عمارت دوبارہ تعمیر کر کے اس پر پہلے کی طرح ساگوان کی لکڑی کی چھت ڈال دی۔ پھر کئی بار اس کی مرمت بھی ہوتی رہی، لیکن آہستہ آہستہ خستہ ہوگئی۔ سلطان سلیم نے نئی عمارت بنانے کا حکم دیا اور کہا کہ چھت لکڑی کی نہ ڈالی جائے بلکہ وہ گنبدوں

کی شکل میں تعمیر کی جائے۔ یہ کام ۹۷۹ھ میں شروع ہوا اور پھر سلطان مراد کے ہاتھوں ۹۸۴ھ میں مکمل ہوا۔

خادمِ حرمین شریفین فهد بن عبدالعزیز کی تعمیر

خانہ کعبہ کے متولی طہٰ الشیبی نے اپنے بیٹے عبدالملک الشیبی کے ساتھ مدینہ منورہ میں خادمِ حرمین شریفین فہد بن عبدالعزیز سے ملاقات کی اور بتایا کہ کعبہ کی عمارت کمزور ہوتی جارہی ہے۔ اس کی مرمت کی ضرورت ہے۔

ابتدا میں یہ خیال تھا کہ محض مرمت کر دی جائے، لیکن جب محسوس کیا گیا کہ لکڑی بالکل خراب ہوگئی تو مکمل عمارت کی تعمیر کا فیصلہ کیا گیا۔ بن لادن کمپنی نے ہیلی کاپٹروں کے ذریعے برما کے جنگلات سے بہترین لکڑی (Burma Teak)، جس میں کسی قسم کی گٹھان نہیں تھی، حاصل کی۔ اس لکڑی کی خاصیت یہ ہے کہ اس کو دیمک نہیں لگتی۔ اس کے علاوہ ایسے رنگ کا انتخاب کیا گیا جس میں کسی قسم کی بو شامل نہیں تھی، کیونکہ خانہ کعبہ عموماً سال میں دو دفعہ کھلتا ہے۔ غالب بن لادن کمپنی کی طرف سے خانہ کعبہ کی تعمیر کے کام کے نگران مقرر ہوئے، جنہوں نے بہت احتیاط سے کام کا آغاز کیا، اور جہاں بھی مشکل پیش آئی، استخارے سے مدد لی۔

شرک یا بدعات سے بچنے کے لیے عملے کے کسی بھی رکن کو عمارت کا کوئی پتھر یا مٹی لے جانے کی اجازت نہ دی۔ اس سے قبل خانہ کعبہ کے مطاف کی تعمیر و مرمت کا کام بھی بن لادن کمپنی کو دیا گیا تھا، جنہوں نے یونان کے مشہور تھوسس آئیر لینڈ سے سفید کرسٹالینو منگوا کر مطاف میں لگایا، جو ہر قسم کی گرمی میں ٹھنڈا رہتا ہے۔

خانہ کعبہ کا دروازہ ۳۰۰ کلوگرام سونے سے ۱۹۷۹ء میں احمد بن ابراہیم نے شاہ خالد بن عبدالعزیز کی خواہش پر لگایا تھا، اس لیے اسے جوں کا توں رکھا گیا۔

خانہ کعبہ کے اندر بھی ایک دروازہ ہے جسے بابِ توبہ کہتے ہیں۔ اس دروازے سے چھت پر جایا جاتا ہے۔ چھت پر جانے والی سیڑھی ترکی سے بنوائی گئی ہے، جس

کے قدمچے کرسٹل کے بنے ہوئے ہیں، البتہ باقی فریم عمدہ اسٹیل سے بنایا گیا ہے۔ فرش پر سفید ماربل استعمال کیا گیا ہے، اور فرش کے درمیان ہرے ماربل سے نقش بنائے گئے ہیں۔ دیوار کے نچلے حصے میں ہرا ماربل استعمال کیا گیا ہے، جبکہ اوپر کے حصے میں ہلکے سفید رنگ کا ماربل استعمال کیا گیا ہے۔ آدھی دیوار ماربل کی ہے اور اوپر والے حصے میں ہرا کڑھا ہوا کپڑا لگایا گیا ہے، جو خادمِ حرمین شریفین خالد بن عبدالعزیز کا عطا کردہ ہے۔ ماضی کی طرح دو چھتیں رکھی گئی ہیں۔ پہلی چھت لکڑی کی ہے اور دوسری چھت بھی لکڑی کی ہے، لیکن وہ واٹر پروف ہے اور اس پر ماربل لگا دیا گیا ہے۔

خانہ کعبہ کی لمبائی ۱۸ فٹ، چوڑائی ۱۴ فٹ اور اُونچائی ۳۵ فٹ ہے۔ دروازہ عام سطح سے ۶،۷ فٹ بلند ہے۔ کعبہ کی چھت پر پرنالہ نصب ہے جسے میزابِ رحمت کہتے ہیں۔ کعبہ کے اندر تین ستون ہیں۔ خانہ کعبہ کی چھت کے ساتھ ایک رسی کے ذریعے تحفے میں آئے ہوئے قدیم برتن، جن میں سے کچھ پانچ سو سے چھے سو سال پرانے ہیں، لٹکا دیے گئے ہیں اور دروازے کے سامنے درازوں والی ایک الماری رکھی ہوئی ہے۔ بابِ توبہ پر آیاتِ توبہ لکھی ہوئی ہیں۔ دیواروں پر بہت خوب صورت کتبے لگے ہوئے ہیں۔

خانہ کعبہ کی اس تعمیر کا کام پانچ ماہ کے عرصے میں ختم ہوا اور ایسی حکمتِ عملی اختیار کی گئی کہ ان پانچ ماہ میں طواف نہیں رُکا۔ کام کرنے والوں میں دو پاکستانی انجینیرز، خالد وحید اور جاوید گل کا کام نمایاں رہا۔

خانہ کعبہ سال میں صفائی کے لیے دو دفعہ کھلتا ہے۔ پہلی دفعہ ۱۵ محرم کو اور دوسری دفعہ پہلی شوال کو۔ غلافِ کعبہ عرفات والے دن بدلا جاتا ہے۔ خانہ کعبہ اور مقامِ ابراہیم کی چابی شروع سے لے کر آج تک الشیبی خاندان کے پاس ہے، کیوں کہ فتحِ مکہ کے وقت حضور پاک ﷺ نے خود یہ چابی ان کو دی تھی اور فرمایا تھا:

”جو ان سے یہ چابی چھینے گا، اس سے بڑا ظالم کوئی نہ ہوگا۔“

کعبہ میں بت پرستی

مکہ میں بت پرستی کی ابتدا عمرو بن لحی نے کی۔ یہ بنو خزاعہ کا سردار تھا اور اس کا زمانہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے ۴۰۰ سال پہلے کا بتایا جاتا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ عمرو بن لحی کے تابع ایک جن تھا، جس کے ذریعے اس نے یغوث، یعوق اور نسر نامی بتوں کو جدہ کے قریب دریافت کیا۔ سورۃ نوح (۷۱: ۲۳) میں بھی ان بتوں کا ذکر ہے۔

لات بھی ایک بت تھا، جس کے معنی ستو گھولنے والے کے ہیں۔ یہ ایک شخص تھا جو حاجیوں کو ستو پلایا کرتا تھا۔ بعد میں عمرو بن لحی نے بت بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی۔ اس کے علاوہ بھی وہ شام سے بت لے کر آیا تھا۔

ہبل قریش کا سب سے بڑا دیوتا تھا۔ یہ بت قریش کو انسانی مورت کی شکل میں ملا تھا، جو سرخ عقیق سے تراشا گیا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ قریش نے وہ سونے کا بنوا کر لگا دیا۔ ہبل خاص خانہ کعبہ میں نصب تھا۔ فال کے پانسے اسی کے آگے ڈالے جاتے تھے۔

قریش جنگوں میں ”اُعلُ ہبل“ (ہبل کی جے) کا نعرہ لگاتے تھے۔ فتحِ مکہ کے موقع پر حضرت علیؓ نے ہبل اور منات کو، اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے عزیٰ کو توڑا تھا۔

کعبہ کی پاسبانی

مؤرخین کہتے ہیں کہ جب بنو جرہم نے کعبہ کی توہین کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں منتشر کر دیا۔ پھر بنو خزاعہ اس کے پاسبان بنے۔ ان کے بعد قصی بن کلاب اس کا پاسبان بنا۔ کعبہ کی پاسبانی کے ساتھ ساتھ اس نے مکہ کی حکومت بھی سنبھال لی۔ پھر اس نے اپنے بیٹے عبدالدار کو کعبہ کی پاسبانی، دارالندوہ اور جھنڈا سپرد کیا۔ عبدالدار نے اپنے بیٹے عثمان کو کعبہ کی پاسبانی سونپ دی۔ یوں نسل در نسل یہ عہدہ اسی کی اولاد میں منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ عثمان بن طلحہ پاسبان بنے۔ فتحِ مکہ کے وقت آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہؓ سے چابی طلب کی۔ وہ چابی دیتے ہوئے جھجک رہے تھے، کیونکہ حضرت عباسؓ بھی اس چابی کو طلب کر رہے تھے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا:

''اگر تو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو چابی مجھے دے دے۔''

وہ کہنے لگے:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ حاضر ہے، لیکن یہ اللہ کی امانت ہے۔''

آپ ﷺ نے چابی پکڑ لی۔ بیت اللہ کا دروازہ کھولا تو حضرت جبرئیلؑ یہ وحی لے کر اُترے:

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (النساء ۵۸:۴)

''اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کے سپرد کرو۔''

آپ ﷺ نے اس آیت کی رو سے حضرت عثمانؓ کو چابی دے دی اور یہ بھی فرمادیا کہ قیامت تک اب یہ چابی تمھارے پاس رہے گی۔ اگر کوئی اسے لے گا تو ظلم کرے گا۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی وفات کے وقت اپنے چچا کے بیٹے شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہؓ کو دے دی۔

اس وقت سے پاسبانی کا منصب شیبہ کی اولاد میں جاری ہے۔ آج کل چابی عبدالقادر بن طہ الشیبی کے پاس ہے۔ خانہ کعبہ ہمیشہ یہی لوگ کھولتے ہیں۔

غزوۂ بدر کے سلسلے میں ذکر آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ قریش کا جھنڈا عبدالدار خاندان کے ایک مشرک کے ہاتھ میں ہے تو فرمایا کہ حق رسانی اسلام کا فریضہ ہے، اور یہ کہہ کر اپنا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر العبدیؓ (جو اسی خاندان کے ایک مسلمان تھے) کے سپرد فرمایا۔

غلافِ کعبہ

سب سے پہلے جس نے کعبہ کو مکمل غلاف چڑھایا، وہ تبع اسعد الحمیری تھے۔ آپ کا زمانہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے ۷۰۰ سال پہلے بتایا جاتا ہے۔

ان کو خواب میں نظر آیا کہ وہ کعبہ کو غلاف چڑھا رہے ہیں، لہٰذا انہوں نے چمڑے کا غلاف چڑھایا۔

پھر انہیں خواب میں دکھائی دیا کہ اور غلاف چڑھائیں، تو انہوں نے یمن کے بنے ہوئے سرخ دھاری دار کپڑے کا غلاف چڑھایا۔

امام محمد بن اسحاقؒ کی اس روایت کی

تصدیق ایڈورڈ گبن نے بھی اپنی تاریخ میں کی ہے۔ تبع کے بعد دورِ جاہلیت میں بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے وقت میں غلاف چڑھائے۔

کعبہ کو مختلف قسم کے کپڑوں کے غلاف چڑھائے جاتے رہے، مثلاً چمڑے کا غلاف، سرخ دھاری دار کپڑے کا غلاف، یمن کے کام دار کپڑے کا غلاف، یہاں تک کہ ابوربیعہ بن مغیرہ مخزومی نے شہر جند سے دھاری دار کپڑے کا غلاف تیار کروایا اور خانہ کعبہ پر چڑھایا۔ بعد ازاں دو غلاف چڑھائے جانے لگے۔ ایک ریشمی اور دوسرا قباطی۔ ناصر عباسی نے سب سے پہلے سیاہ رنگ کا غلاف خانہ کعبہ پر چڑھایا۔ اس وقت سے آج تک سیاہ رنگ کا غلاف ہی چڑھایا جا رہا ہے۔

۷۵۱ء میں مصر کے بادشاہ اسماعیل بن ناصر بن قلوون نے کعبہ کے غلاف کے لیے ایک مخصوص وقف قائم کر دیا، لیکن خدیوی محمد علی نے تیرھویں صدی میں یہ وقف ختم کر دیا اور غلاف سرکاری وقف پر تیار ہونے لگا۔

۸۱۰ھ میں کعبہ کے دروازے کے لیے ایک الگ منقش پردہ تیار کیا گیا، جسے غلافِ کعبہ کا برقع کہا جاتا تھا۔

اور اب تک یہ پردہ بھی غلاف کے ساتھ ہی تیار کیا جاتا ہے۔

شاہ سعود بن عبدالعزیزؒ نے غلافِ کعبہ تیار کرنے کے لیے مکہ مکرمہ میں ایک الگ کارخانہ لگانے کا حکم دیا۔

۱۳۸۲ھ میں شاہ فیصل شہیدؒ نے اس کارخانے کی تعمیرِ نو کا حکم دیا تاکہ غلاف انتہائی مضبوط اور عمدہ تیار ہو، نیز وہ کعبۂ مشرفہ کے تقدس کے شایانِ شان ہو۔

۱۳۹۷ھ میں مکہ مکرمہ کے مقام اُم الجود میں اس کارخانے کی نئی عمارت کا افتتاح ہوا۔ اس میں غلاف کی تیاری کے لیے مشینی آلات کے ساتھ ساتھ دستی کشیدہ کاری کا انداز بھی قائم رکھا گیا، کیونکہ فنی لحاظ سے دستی کشیدہ کاری کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ یہ سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے!

☆......☆......☆

بقیہ: کتب کا مطالعہ

بننے کا ایک اہم راستہ اچھی کتابوں کا مطالعہ ہے۔

اسی حقیقت کو پروفیسر محسن عثمانی ندوی رحمہ اللہ نے نہایت خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے:

"انسان صرف اتفاقاً ایک دو کتابیں پڑھ لینے سے علم دوست نہیں بنتا، بلکہ علمی ذوق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ ہر حال میں، چاہے گھر میں ہو یا سفر میں، صحت مند ہو یا بیمار، کتابوں سے اپنا تعلق قائم رکھے اور مطالعہ کبھی نہ چھوڑے۔"

حقیقت یہی ہے کہ جن قوموں نے کتاب کو اپنا دوست بنایا، علم کو اپنی دولت سمجھا اور مطالعے کو اپنی عادت بنا لیا، تاریخ نے ہمیشہ انہی قوموں کو عزت، ترقی اور قیادت عطا کی۔ اگر ہم بھی اپنی نئی نسل میں کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا کریں، اپنے گھروں میں چھوٹے چھوٹے کتب خانے بنائیں اور کتابوں کو بہترین تحفہ سمجھنے کی روایت دوبارہ زندہ کریں تو ہمارا معاشرہ علم، اچھے اخلاق اور اعلیٰ کردار سے بھر سکتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں کون سی کتابیں پڑھنی چاہییں؟ اس کا ایک ہی جواب سب کے لیے نہیں ہو سکتا، کیونکہ ہر شخص کی دلچسپی الگ ہوتی ہے۔ پھر بھی چند ایسی کتابیں ہیں جن کا مطالعہ ہر مسلمان کے لیے بہت فائدہ مند ہے۔

1۔ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر لکھی ہوئی اچھی کتابیں پڑھنی چاہییں، تاکہ ہم آپ ﷺ کی زندگی سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔

2۔ صحابۂ کرامؓ اور صحابیاتؓ کی زندگیوں کا مطالعہ کرنا چاہیے، کیونکہ وہ ہمارے بہترین نمونے ہیں۔

3۔ ہمارے بزرگ علماء اور نیک لوگوں کی سوانح پڑھنی چاہیے، تاکہ معلوم ہو کہ انہوں نے علم اور دین کی خدمت کیسے کی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں علم سے محبت کرنے والا بنائے، کتابوں سے ہمارا تعلق مضبوط کرے، ہمیں مطالعے کی عادت عطا فرمائے۔ آمین

آخری قسط

خوفناک جیل

مولانا مقصود شہید رحمہ اللہ

تار کبھی میرے سر پر کبھی کمر پر اور کبھی ٹانگوں پر لگتا تھا اور میری چیخیں نکل جاتی تھیں۔

وہ مجھے بے تحاشا مار رہے تھے اور مارتے ہوئے یہ بھی نہیں دیکھ رہے تھے کہ مجھے کہاں لگ رہی ہے؟

میں خود بھی مار کھا رہا تھا اور ساتھ ساتھ دوسرے مسلمان قیدیوں کی آوازیں بھی سن رہا تھا، جنہیں ساتھ والے کمروں میں مارا پیٹا جا رہا تھا۔ انہیں شاید مجھ سے زیادہ ہی سختی سے یہودی مار رہے تھے، اسی لئے ان کے چیخنے کی آوازیں بہت زیادہ آ رہی تھیں۔

مجھے اپنی مار کا درد تو ہو ہی رہا تھا۔ ساتھ ساتھ دوسرے مسلمانوں کی چیخیں سن کر اور بھی زیادہ تکلیف ہو رہی تھی۔

جب یہودی سپاہی مجھے بہت زیادہ مار چکے تو پھر انہوں نے مجھے ایک کرسی پر بٹھایا اور کہنے لگے:

”سچ سچ بتاؤ تمہارے ابو مجاہدین کی مدد کرتے ہیں نا؟“

”نہیں“

میں نے صاف صاف انکار کر دیا۔

”دیکھو سمیر!“ ایک یہودی ذرا نرم لہجے میں کہنے لگا۔

''اگر تم یہ کہہ دو کہ تمہارے ابو مجاہدین میں شامل ہیں تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔''

وہ مجھے پیار اور محبت کے ساتھ دھوکہ دینا چاہتا تھا لیکن مجھے بھی پتہ تھا کہ یہودی کیا چاہتے ہیں؟ مجھے معلوم تھا کہ انہوں نے مجھے چھوڑنا نہیں ہے۔

صرف جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔ بالکل ایسے ہی ایک وعدہ انہوں نے کل بھی کیا تھا، لیکن وہ جھوٹ نکلا۔ اب میں ان کی کوئی بات ماننے کیلئے تیار نہیں تھا۔

میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کرلیا کہ یہودی سپاہی مجھے جتنا بھی مارلیں، میں نے ان کی کوئی بات نہیں ماننی، بے شک یہ مجھے جان سے ہی کیوں نہ مار ڈالیں!

ایک دفعہ انہوں نے مجھے یہ بھی کہا کہ اگر تم یہ مان جاؤ کہ تمہارے ابو بچوں کو غلیل چلانا سکھاتے ہیں، تاکہ وہ یہودی سپاہیوں کو پتھر ماریں، تو پھر بھی ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔ لیکن میں نے یہ بات بھی نہیں مانی اور ساتھ ہی مجھے دل میں ان لوگوں پر بہت ہنسی بھی آئی۔

میں سوچنے لگا کہ یہودی فوجیوں کے پاس کتنا زیادہ اسلحہ ہوتا ہے۔ کلاشن کوفیں اور مشین گنیں ہوتی ہیں۔ ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں ہوتی ہیں، پھر بھی یہ کتنے بزدل اور ڈرپوک ہیں کہ انہیں ہماری غلیلوں اور چھوٹے چھوٹے پتھروں سے ڈر لگتا ہے۔

بہرحال وہ لوگ مجھے مارتے پیٹتے رہے لیکن میں نے ان کی کوئی بات نہ مانی۔ آخر کار وہ تنگ آگئے اور انہوں نے مجھے اُٹھا کر جیل میں ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں پھینک دیا۔ مگر اب بھی ان کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔

یہاں کوٹھڑی میں ایک آدمی آیا۔ وہ سگریٹ پی رہا تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ ہاتھ اوپر کرو۔ میں نے ہاتھ اوپر کرلیے۔ وہ میرے بالکل نزدیک آگیا۔

پھر اس نے اپنا سگریٹ ہاتھ میں پکڑا اور میرے بازو کے ساتھ لگا دیا۔ جلتے ہوئے سگریٹ سے میرے بازو بھی جلنے لگے اور تکلیف کی وجہ سے میں تڑپنے لگا۔ لیکن اس کو میرے اوپر ذرا ترس نہ آیا۔

اس ظالم شخص نے چار مرتبہ اپنا جلتا ہوا سگریٹ میرے بازو پر رکھا۔ پھر وہ تھوڑا سا

پیچھے ہٹ گیا اور میں نے اپنے جلے ہوئے بازو کو نیچے کر لیا لیکن اس نے مجھے دوبارہ حکم دیا کہ بازو اوپر کر لو۔

میں نے سوچا کہ اب وہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔لہٰذا میں نے بازو اوپر کر لیے۔لیکن اس نے دوبارہ وہی کام کیا اور میں پھر تڑپنے لگا اور وہ مجھے یوں ہی تڑپتا ہوا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

اگلے دن ایک اور یہودی افسر آیا۔وہ بھی بہت ظالم تھا۔اس نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور ایک موٹا سا ڈنڈا میرے پاؤں پر مارنے لگا۔

درد کی وجہ سے میں جوں ہی نیچے جھکتا وہ مجھے زبردستی پکڑ کر کھڑا کر دیتا۔

اس آدمی نے بھی اپنا جلتا ہوا سگریٹ کئی بار میرے جسم پر رکھا۔جس کی وجہ سے مجھے بہت تکلیف ہوئی۔

ایسے ہی ظلم سہتے سہتے دس دن گزر گئے۔یہودی سپاہی مجھے دوبارہ عدالت میں لے گئے۔میں جج کے سامنے آیا تو میں نے اپنے بازو سے کپڑا ہٹایا اور جج کو اپنے جلے ہوئے بازو دکھائے۔میں چاہتا تھا کہ جج کو اپنی کمر بھی دکھاؤں،جس پر ڈنڈے کھا کھا کر نیل کے نشان پڑ چکے تھے لیکن جج بھی یہودی تھا۔اس نے میری باتوں پر توجہ نہ دی اور کہنے لگا کہ بس بس ٹھیک ہے۔

پھر اس نے یہودی سپاہیوں سے کہا کہ اسے دوبارہ چھ دن کیلئے جیل لے جاؤ۔جج کا یہ حکم سن کر میں نے عدالت میں چیخنا چلانا شروع کر دیا:

”مجھے چھوڑ دو میں بے گناہ ہوں مجھے گھر جانے دو میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔“

لیکن میری بات کون سنتا؟ سپاہیوں نے مجھے پکڑا اور زبردستی گاڑی میں ڈال دیا۔وہاں میں نے دیکھا تو آج پھر میرے ابو جان عدالت میں آئے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ میرے امی جان بھی تھیں۔

مجھے جب دوبارہ جیل لے جایا جا رہا تھا تو امی جان میرے پاس آئیں۔

یہودی سپاہیوں نے مجھ سے کہا کہ خبردار جو تم نے اپنی ماں سے بات چیت کی۔لیکن میں نے پھر بھی اپنی امی جان سے کچھ باتیں کر ہی لیں۔دراصل میں چاہتا تھا کہ یہودیوں کو زیادہ سے زیادہ غصہ

چڑھاؤں اور تنگ کروں۔

عدالت سے واپس جیل میں آنے کے بعد انہوں نے مجھ پر دوبارہ تشدد کرنا شروع کر دیا۔

مجھے پھر بجلی کے تار سے مارا۔ میرے بازو پر جلتے ہوئے سگریٹ لگائے اور کھڑا کر کے پاؤں پر ڈنڈے برسائے۔

لیکن مجھے سب سے زیادہ تکلیف اس سے ہوئی کہ وہ مجھے بہت زیادہ گالیاں بھی دے رہے تھے۔

میرے پیارے دوستو! شریف اور اچھا انسان نہ کبھی خود گالی دیتا ہے اور نہ ہی گالی سننا برداشت کرتا ہے۔

میں خود بھی کسی کو گالی نہیں دیتا اور کسی کے منہ سے گالی سنتا بھی نہیں۔ مگر یہاں میں مجبور تھا۔

وہ بڑے لوگ مجھے گالیاں دے رہے تھے۔ میں ان کا کچھ بگاڑ تو نہیں سکتا تھا لیکن دل ہی دل میں اپنے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے دعا کر رہا تھا:

"اے اللہ! مجھے اس عذاب سے نجات عطا فرما اب میں یہ ظلم زیادہ برداشت نہیں کر سکتا۔ اے میرے پیارے اللہ! مجھے رہائی نصیب فرما! آخر کار اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمالی اور گرفتاری کے تین ہفتے بعد مجھے رہائی مل گئی۔

میرے ابو جان نے مجھے رہا کروانے کیلئے اسرائیلی حکومت کو پندرہ ہزار روپے ادا کیے۔

☆......☆......☆

نماز

* نماز دین کا ستون، ایمان کی علامت اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا سب سے عظیم ذریعہ ہے۔

* نماز اللہ تعالیٰ کی سب سے محبوب عبادت اور بندے کے لیے کامیابی، سکونِ قلب اور نجات کا بہترین ذریعہ ہے۔

* جو شخص نماز کی حفاظت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی زندگی میں برکت، دل میں نور اور آخرت میں کامیابی عطا فرماتے ہیں۔

* نماز گناہوں کو مٹاتی، دل کو پاکیزہ بناتی اور انسان کو برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔

خوش قسمتی

خالہ رملہ

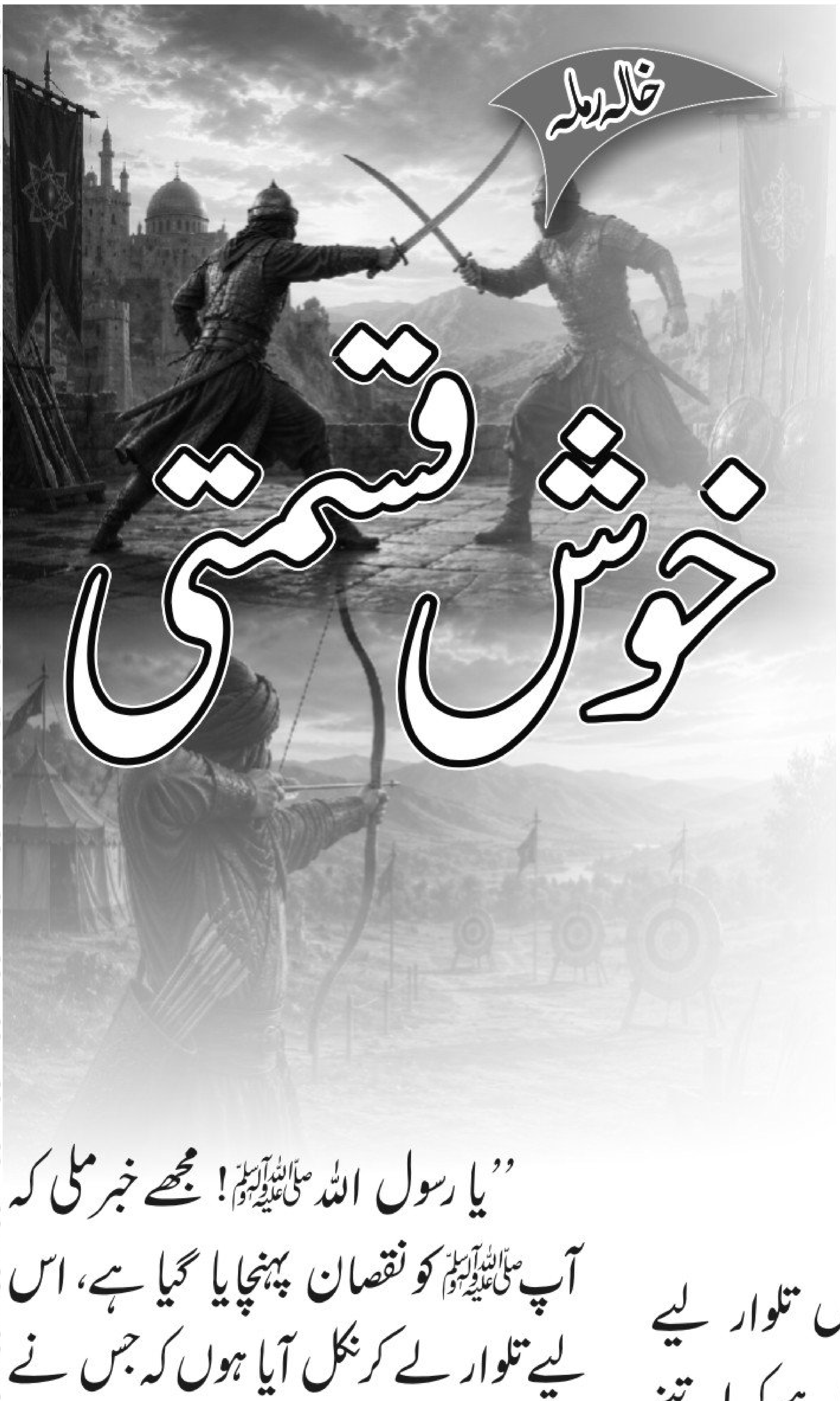

محمد زبیر کی امی کافی دیر سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

وہ سامنے جوش و خروش سے ہوا میں لکڑی کے ساتھ تلوار بازی کے جوہر دکھا رہا تھا۔ کبھی پیچھے ہٹ کر وار کرتا، کبھی آگے بڑھتا، کبھی کروٹ بدل بدل کر وار کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ اپنی دھن میں مگن تھا۔

اسے دیکھ کر اس کی امی کو چودہ سو سال پہلے کا زبیر یاد آ گیا۔ دماغ کی اسکرین پر منظر گھومنے لگا۔

چھوٹا سا بچہ ہاتھ میں تلوار لیے پہاڑیوں پر دوڑا چلا جا رہا ہے کہ اتنے میں محمدِ ملاحم ﷺ سامنے آتے ہیں اور اپنے خوب صورت، معطر ہونٹوں سے فرماتے ہیں:

مَا لَكَ يَا زُبَيْرُ؟

(اے زبیر! کیا بات ہے؟)

زبیر عرض کرتا ہے:

"یا رسول اللہ ﷺ! مجھے خبر ملی کہ آپ ﷺ کو نقصان پہنچایا گیا ہے، اس لیے تلوار لے کر نکل آیا ہوں کہ جس نے آپ ﷺ کو نقصان پہنچایا ہے، میں اسے قتل کر دوں۔"

آپ ﷺ انہیں اور ان کی تلوار کے لیے دعا فرماتے ہیں۔

خیالات کا دھارا بہتے بہتے غزوۂ بدر پر جا ٹھہرتا ہے۔

دو معصوم بچے، معاذ اور معوذؓ ، پاس کھڑے صحابی حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے پوچھتے ہیں:

''چچا جان! بتائیے کہ ابو جہل کون سا ہے؟''

دونوں بچوں کی خواہش ہوتی ہے کہ میرے ساتھ والا بچہ نہ سن لے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ابو جہل کو وہ قتل کر دے اور میں محروم رہ جاؤں۔

ابو جہل کی نشاندہی میں اشارہ ہوتا ہے تو دونوں بچے آن کی آن میں جھپٹ کر ابو جہل پر حملہ کر دیتے ہیں۔

اتنے میں زبیر لکڑی پھینک کر تیر اٹھا کر نشانے بازی کرنے لگا۔

اس کی امی کے ذہن کی اسکرین پر ایک اور منظر گھوم گیا۔

غزوۂ اُحد کا دن ہے۔ حضرت ابو طلحہؓ تیر چلا رہے ہیں۔ جب وہ تیر چلاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا سرِ مبارک اٹھا کر دیکھتے کہ تیر کہاں جا کر لگا ہے۔

حدیث کے الفاظ ہیں:

كَانَ أَبُو طَلْحَةَ حَسَنَ الرَّمْيِ، فَكَانَ إِذَا رَمَى تَشَرَّفَ النَّبِيُّ ﷺ فَيَنْظُرُ إِلَى مَوْضِعِ نَبْلِهِ

ترجمہ: ابو طلحہؓ بہترین تیر انداز تھے۔ جب وہ تیر چلاتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گردن اٹھا کر دیکھتے کہ ان کا تیر کہاں لگا ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کی طرف دیکھنے کے لیے سر اٹھاتے تو حضرت ابو طلحہؓ عرض کرتے:

بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَا تُشْرِفْ، يُصِيبُكَ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ الْقَوْمِ، نَحْرِي دُونَ نَحْرِكَ۔

ترجمہ: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، سر بلند نہ فرمائیے، کہیں دشمن کا تیر آپ کو نہ لگ جائے۔ میری گردن آپ کی گردن سے پہلے حاضر ہے۔

آہ... کیا خوش قسمت لوگ تھے!

ایک آہ کے ساتھ ایک آنسو گال پر بہتا ہوا امی کے دوپٹے میں جذب ہو گیا۔

سامنے کا منظر بدل گیا۔ زبیر کا بڑا بھائی محمد مکتب سے واپس آ کر اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔

اتنے میں ان کی کشتی شروع ہو گئی۔

اس منظر کے ساتھ ایک اور منظر کی دہرائی ہونے لگی۔

یہ بھی غزوۂ اُحد کا موقع ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب ؓ بھی شریک ہونا چاہتے ہیں۔

کم عمری کی وجہ سے انہیں اجازت نہ ملی۔ انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میں فلاں نوجوان کو پچھاڑ سکتا ہوں۔"

جب ان کی قوت آزمائی گئی تو انہوں نے دوسرے ساتھی کو پچھاڑ دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں جہاد میں شرکت کی اجازت عطا فرمادی۔

"اللہ جی! میرے زبیر اور محمد کو بھی انہی راہوں کا راہی کر دیجیے نا، جن راہوں کی گرد میرے نبی کریم ﷺ پر پڑی تھی، جن راہوں کی موت (یعنی حیات) کی تمنا کی گئی تھی۔"

دل نے ایک بار پھر تاریخ کے اُن سنہرے اوراق کو چھوا، جہاں بچپن بھی قربانی، شجاعت اور عشقِ رسول ﷺ سے مہکتا تھا۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ، آمین، ثم آمین۔

اپنے بچوں پر محبت بھری ایک نظر ڈال کر وہ اٹھ گئیں۔

تیراکی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

صحابہ کرام ؓ میں حضرت سیدنا اسید بن حضیر، سعد بن عبادہ اور رافع بن خدیج ؓ ماہر تیراک مانے جاتے تھے، اہل عرب کے ہاں "الکامل" کی اصطلاح مشہور تھی اور یہ ان لوگوں کے لیے بولی جاتی تھی، جو کتابت، تیراکی اور تیر اندازی میں ماہر ہوتے تھے، اور یہ تینوں وصف ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں پائے جاتے تھے اسی طرح حضرت سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ماہر تیراک تھے۔ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں سیلاب امڈ آیا اور بیت اللہ کا طواف رک گیا، تب حضرت سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیراکی کرتے ہوئے بیت اللہ کا طواف کیا۔ (الباحۃ فی فضل السباحۃ)

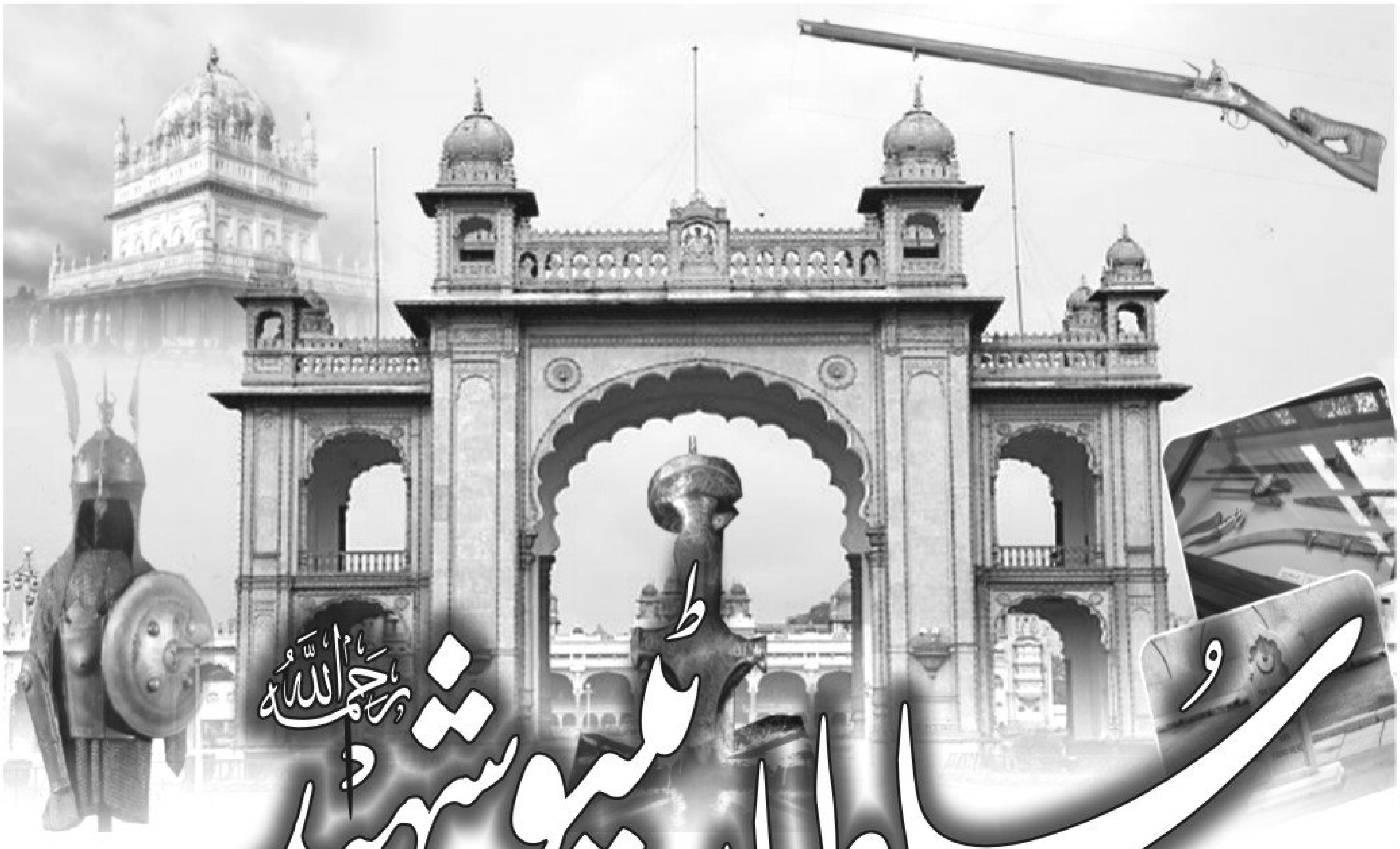

سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ

عبدالحفیظ امیر پوری

قسط 80

تینوں انگریز فوجی افسر قاضی شہر کی اس بات کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہے۔ ان کی اپنی قوم کے بے شمار سپاہی قتل ہوئے تھے مگر آج تک ان کی آنکھوں نے ایسا منظر نہیں دیکھا تھا۔

چار بجے کے قریب مردِ مجاہد، سلطانِ شہید کا جنازہ اٹھایا گیا۔ حرم سرا کی فضا میں ایک بار پھر شورِ فغاں بلند ہوگیا۔ قاضی شہر بار بار خواتین کو صبر کی تلقین کر رہے تھے مگر غم ایسا تھا کہ دل سنبھالے نہیں سنبھلتے تھے۔

خاندانِ سلطانی سے تعلق رکھنے والی خواتین گھٹی گھٹی سسکیوں میں رو رہی تھیں، لیکن ٹیپو کی خواصوں اور کنیزوں کا تو برا حال تھا۔ ان کے بال بکھرے ہوئے تھے، چہرے اشکوں سے تر تھے اور وہ انتہائی جانگداز لہجے میں بین کر رہی تھیں۔

ان بین کرنے والی کنیزوں میں ہندو خادمائیں بھی شامل تھیں۔ شدتِ جذبات سے بے قابو ہو کر بعض کنیزیں اس پالکی کے آگے لیٹ جاتی تھیں جس میں سلطان کا

جنازہ رکھا گیا تھا۔

جنرل ہارس کے حکم پر قلعے کے منتظمین نے بڑی مشکل سے ان فریادی عورتوں کو جنازے کے راستے سے ہٹایا۔ پھر جب سلطان کی میت قلعے سے باہر نکلی تو ایک بار پھر کہرام مچ گیا۔

☆......☆......☆

میسور کی رانیاں بھی جنازے کے ہمراہ تھیں۔ خوشی کے جذبات سے ان کے دل بے قابو تھے، مگر وہ زبردستی اپنے چہروں پر سوگواری کا رنگ سجانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

رانیوں کا ایجنٹ ترمل راؤ بھی ان کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

"مہارانی! آپ کو رام راج مبارک ہو۔" ترمل راؤ نے رانی دیوا جی منی سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"خاموش ہو جاؤ، ترمل راؤ! یہ وقت ایسی باتیں کرنے کا نہیں ہے۔" رانی دیوا جی نے دبے دبے لہجے میں کہا۔

"آپ کو اپنا وعدہ تو یاد ہے نا؟" ترمل راؤ بہت زیادہ مضطرب نظر آرہا تھا۔ ترمل راؤ نے اسی شرط پر ایسٹ انڈیا کمپنی سے ساز باز کی تھی کہ نئی حکومت میں اسے میسور کا وزیرِاعظم بنایا جائے گا۔

"ہاں! یاد ہے۔" رانی دیوا جی منی کی آنکھوں میں ناگواری کا رنگ اُبھر آیا تھا۔

"پہلے اس کی لاش کو دفن تو ہو جانے دے۔ میری ہی قوم کے لوگ اسے دیوتا کہہ رہے ہیں؟" رانی کا بس نہیں چل رہا تھا، ورنہ وہ ٹیپو کے جنازے کی بے حرمتی کرنے سے بھی باز نہ آتی۔

حرام کار پورنیا جنرل ہارس اور جنرل بیرڈ کے سامنے چلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دراصل پورنیا بھی وزارتِ عظمیٰ کا امیدوار تھا اور اسے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حمایت حاصل تھی۔ قلعے سے نکلتے ہی جنرل ہارس نے پورنیا کو سخت لہجے میں تنبیہ کر دی تھی۔

"تو نے ساری زندگی بے پناہ ذہانت سے کام لیا، مگر آخری وقت میں اس قدر نادانی؟" جنرل ہارس پورنیا کو سمجھا رہا تھا۔

"دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں، اس لیے ہم سے دور دور چل!"

پورنیا فوراً ہی ہٹ گیا اور سلطان کے

جنازے کے قریب پہنچ کر زور زور سے رونے لگا۔ بڑا عجیب منظر تھا۔ خدا نے زندگی میں بھی ٹیپو کو عزت و تکریم بخشی اور مرنے کے بعد بھی۔

فاتح حکمران مفتوح فرمانرواؤں کے ساتھ بڑا تحقیر آمیز سلوک کرتے ہیں۔ ٹیپو بھی ایک شکست خوردہ انسان تھا، مگر اس کا جنازہ اس شان سے جا رہا تھا کہ جیسے وہ آج بھی ریاستِ میسور کا مطلق العنان حکمران ہو۔ انگریزی فوج، جو کل تک سلطان کے خلاف صف آرا تھی، آج شہر کے مختلف راستوں پر دو رویہ قطاروں میں اپنی بندوقیں اور سر جھکائے کھڑی تھی اور سلطان کی میت کو آخری سلامی پیش کر رہی تھی۔ جنازے کے آگے چار انگریزی کمپنیاں تھیں۔ دائیں اور بائیں سلطنتِ خداداد کے امراء اور دیگر معززین شہر تھے۔

جنازے کے عین پیچھے شہزادہ عبدالخالق برہنہ سر گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کے بال پریشان تھے اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔

جنازہ آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ راستے میں ہزاروں لوگ سلطان کے عدل و انصاف اور الطافِ کریمانہ کے واقعات سنا سنا کر رو رہے تھے۔

شدتِ غم سے نڈھال سینکڑوں ہندو اور مسلمان جنازے کے آگے آ کر اس طرح لیٹ جاتے تھے کہ انہیں ہٹانا دشوار ہو جاتا تھا۔ مسلمان عورتیں بھی بے حال تھیں، مگر ہندو خواتین اپنے سروں پر مٹی ڈال کر ماتم کر رہی تھیں۔

آج کا دن بہت زیادہ گرم تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ ہواؤں کو کسی شکنجے میں جکڑ دیا گیا ہے۔ درخت اس طرح ساکت تھے کہ ایک پتہ تک نہیں ہلتا تھا۔

آسمان پر سیاہ، گھرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ وقفے وقفے سے بادلوں کی مہیب گرج سنائی دیتی تھی۔ بجلی کی کڑک سے لوگ اُچھل جاتے تھے۔

اس حالت میں جنازہ لال باغ پہنچا۔ ہجوم اس قدر بڑھ گیا تھا کہ انسانوں کے ہجوم میں سانس لینا دشوار تھا۔ قلعے سے ماتمی توپیں سر کی جا رہی تھیں، مگر بارودی گولوں کی آوازیں ماتم گساروں کے شور و فغاں

میں ڈوب کر رہ گئی تھیں۔ اگر کچھ دیر کے لیے انسانی گریہ وزاری کا سلسلہ رک جاتا تو بجلی کی خوفناک کڑک سنائی دیتی، جیسے آسمان پر بھی کچھ ہو رہا ہو۔

جب سلطان کا جنازہ نواب حیدر علی کے مقبرے کے عین مقابل پہنچا تو فوجی بینڈ تھم گیا۔ چار فوجی کمپنیاں، جو میت کے آگے آگے تھیں، دورویہ قطار باندھ کر کھڑی ہو گئیں تاکہ جنازے کو ان کے درمیان سے مقبرے میں لے جایا جائے۔

سلطان کی میت کو آہستہ آہستہ اُتار کر زمین پر رکھا گیا۔ مسجدِ اعلیٰ کے خطیب نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھے اور ہزاروں انسان اپنی صفیں درست کرنے لگے۔ صف بندی کے بعد جیسے ہی امام نے اللہ اکبر کہا تو لوگوں کو یہ محسوس ہوا کہ جیسے آسمان ٹوٹ کر زمین پر گر رہا ہے۔ ایسی ہیبت ناک کڑک سنائی دی کہ کچھ دیر کے لیے انسانی ساعتیں مفلوج ہو گئیں۔

بجلی کی کڑک دیر تک گونجتی رہی۔ روشنی اس قدر تیز تھی کہ میدان میں موجود تمام لوگوں کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

پھر فضا پر گہرا سکوت چھا گیا۔ نماز ختم ہوئی اور ٹیپو کو نواب حیدر علی کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

حیدر آباد کا وزیرِ اعظم میر عالم جنازے میں شریک نہیں تھا۔ وہ اپنے چند افسروں کے ساتھ اس وقت مقبرے کے نزدیک نمودار ہوا جب سلطان کو مرقد میں اتارا جا رہا تھا۔

جنرل ہارس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ سلطان کے حضور آخری سلامی پیش کرے۔ جنرل کا اشارہ پاتے ہی توپوں کے دہانے کھل گئے اور سرنگا پٹم کی پوری فضا بارودی گولوں کے دھماکوں سے گونج اٹھی، مگر اس کے ساتھ ہی آسمان پر بادل اس طرح گرجے کہ توپوں کا شور مدھم پڑ گیا۔

فوجی بینڈ بھی بج رہا تھا، لیکن بجلی کی خوف ناک کڑک کے باعث کسی شخص کو بھی بینڈ کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

پھر کچھ دیر بعد ہی آسمان کے دہانے کھل گئے اور باد و باراں کا ایسا خوفناک طوفان آیا کہ سرنگا پٹم کے باشندے رات بھر اپنے گھروں میں بچوں کی طرح سہمے بیٹھے رہے اور آسمانی قہر سے محفوظ رہنے کی

دعائیں مانگتے رہے۔

اس قدر بارش ہوئی کہ دریائے کاویری میں سیلاب آ گیا۔ اس موقع پر سلطنتِ خداداد کے بعض وفاداروں نے اپنے حسرت زدہ لہجے میں کہا:

”کاش! یہ سیلاب ایک دن پہلے آجاتا، پھر خندقیں لبریز ہو جاتیں اور فرنگی فوج قلعے کی فصیل تک پہنچنے میں کبھی کامیاب نہ ہوتی۔“

انگریز سپاہیوں نے اس طوفانی رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پورے شہر میں لوٹ مار شروع کر دی۔ جنرل بیرڈ دن بھر کا تھکا ہوا تھا، اس لیے آرام کرنے کی غرض سے محل کے برآمدے ہی میں لیٹ گیا تھا، مگر ابھی اس کی آنکھ بھی نہیں لگی تھی کہ چند سپاہیوں نے اسے جگاتے ہوئے کہا:

”شہر کے مختلف مقامات پر آگ لگی ہوئی ہے اور ہر طرف لوٹ مار ہو رہی ہے۔ ہم نے ایک دو جگہ مداخلت کی، مگر ناکام رہے۔ قلعے کی تسخیر کے بعد سپاہی اپنی کمپنیوں میں واپس نہیں گئے اور بار برداری کے لیے جو لوگ باہر کے خیموں میں موجود تھے، وہ بھی شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔ کوئی کسی کی نہیں سنتا اور سب کے سب لوٹ مار میں مشغول ہیں۔

کئی معزز لوگوں پر محض اس لیے تشدد کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی چھپی ہوئی دولت کا پتہ بتا دیں۔ عورتیں گھر چھوڑ کر گلیوں اور گوشوں میں کھڑی ہیں۔“

جنرل بیرڈ نے کئی بار ٹیپو سے شکستِ فاش کھائی تھی، اس لیے سلطان کے خلاف اس کے دل میں غبار بھرا ہوا تھا۔ جب اس نے انگریز سپاہیوں کی لوٹ مار کا حال سنا تو مسکرانے لگا۔

”لوٹ مار اور قتل و غارت گری فاتح سپاہیوں کا حق ہے۔ تم یہاں کیوں چلے آئے؟ فوراً واپس جاؤ اور اپنے حقوق حاصل کرو!

نادانو! اگر تم نے وقت ضائع کر دیا تو زندگی بھر کف نادانو تم ضائع کر تو بھر افسوس ملتے رہو گے۔ سپاہی اپنے افسر کا حکم سن کر مسکراتے اور اس طوفانی رات میں بھاگتے ہوئے قلعے سے باہر چلے گئے۔

☆......☆......☆

سچے سپاہی

ہمشیرہ محمد احمد

مدینہ منورہ کی ایک خوبصورت صبح تھی۔ مسجدِ نبوی میں چند بچے اپنے استاد کے گرد بیٹھے تھے۔

ہر بچے کی خواہش تھی کہ آج انہیں اسلامی تاریخ کا کوئی دلچسپ واقعہ سننے کو ملے۔

استاد نے مسکراتے ہوئے پوچھا:

''بچو! کیا تم جانتے ہو کہ قرآنِ کریم آج جس صورت میں ہمارے پاس محفوظ ہے، اس کے محفوظ رہنے کے لیے ہمارے بزرگوں نے کتنی قربانیاں دی تھیں؟''

تمام بچوں نے ایک ساتھ جواب دیا:

''نہیں، استاد جی! ہمیں بتائیے۔''

استاد نے کہا:

''آج میں تمہیں جنگِ یمامہ کی کہانی سناتا ہوں۔ یہ صرف ایک جنگ کی کہانی نہیں، بلکہ ایمان، بہادری، قربانی اور قرآنِ کریم سے محبت کی داستان ہے۔''

☆☆☆☆☆

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وصال کے بعد

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو مسلمانوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

ابھی وہ اس صدمے سے سنبھلے بھی نہ تھے کہ عرب کے کچھ قبائل نے اسلام سے منہ موڑ لیا۔

بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور کچھ جھوٹے نبیوں کے پیچھے چل پڑے۔

ان جھوٹے مدعیانِ نبوت میں ایک شخص تھا، جس کا نام مسیلمہ کذاب تھا۔

اس نے یمامہ کے علاقے میں بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور دعویٰ کیا کہ وہ بھی نبی ہے۔

یہ بہت بڑا فتنہ تھا۔

مسلمانوں کے خلیفہ، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

”جب تک میری جان میں جان ہے، میں اسلام کے دشمنوں اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کے خلاف ڈٹ کر کھڑا رہوں گا۔“

☆☆☆☆☆

یمامہ کہاں تھا؟

یمامہ عرب کا ایک سرسبز علاقہ تھا۔ وہاں کھجوروں کے باغات، کھیت اور مضبوط بستیاں تھیں۔

مسیلمہ نے اسی علاقے کو اپنا مرکز بنا رکھا تھا اور ہزاروں لوگ اس کے ساتھ تھے۔

☆☆☆☆☆

لشکر کی تیاری

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسلمانوں کا ایک مضبوط لشکر تیار کیا۔

اس لشکر کی قیادت اسلام کے عظیم سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ کے سپرد کی گئی۔

حضرت خالدؓ نہایت بہادر، سمجھ دار اور بہترین جنگی حکمتِ عملی رکھنے والے تھے۔

صحابہ کرامؓ پورے یقین اور اخلاص کے ساتھ ان کے ساتھ روانہ ہوئے۔

ہر مجاہد کی زبان پر ایک ہی دعا تھی:

”اے اللہ! ہمیں اپنے دین کی سربلندی نصیب فرما۔“

☆☆☆☆☆

میدانِ جنگ

جب دونوں لشکر آمنے سامنے آئے تو سخت جنگ شروع ہوگئی۔
مسیلمہ کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا، جبکہ مسلمانوں کی تعداد نسبتاً کم تھی، لیکن مسلمانوں کے دل ایمان سے بھرے ہوئے تھے۔
ابتدا میں جنگ بہت مشکل محسوس ہوئی۔
دشمن پوری طاقت سے حملے کر رہا تھا۔ حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کو منظم کیا، صفیں درست کیں اور فرمایا:
”آج ثابت کر دو کہ تم اللہ کے دین کے سچے سپاہی ہو۔“
یہ الفاظ سن کر مسلمانوں کے حوصلے اور بلند ہو گئے۔

☆☆☆☆☆

حفاظِ قرآن کی قربانی

اس جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بہت سے صحابہ کرامؓ شریک تھے۔
خاص طور پر وہ صحابہؓ، جنہوں نے پورا قرآن اپنے سینوں میں محفوظ کر رکھا تھا، بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے۔
وہ کہتے تھے:
”اگر ہماری جان چلی جائے تو بھی اللہ کے دین کا پرچم بلند رہنا چاہیے۔“
جنگ کے دوران ان میں سے بہت سے حفاظِ قرآن شہید ہو گئے۔
یہ مسلمانوں کے لیے بہت بڑا غم تھا۔

☆☆☆☆☆

مسیلمہ کا انجام

آخر کار مسلمانوں نے بھرپور حملہ کیا۔
شدید مقابلے کے بعد مسیلمہ کذاب اپنے باغ میں جا چھپا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے جھوٹ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔
وہ مارا گیا اور اس کا فتنہ ٹوٹ گیا۔
مسلمانوں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے حق کو کامیاب اور باطل کو ناکام کیا۔

☆☆☆☆☆

ایک اہم فیصلہ

جنگ ختم ہوئی تو حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک نہایت اہم بات حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے رکھی۔
انہوں نے عرض کیا:
”اس جنگ میں قرآن کے بہت

سے حفاظ شہید ہو گئے ہیں۔ اگر آئندہ بھی ایسا ہوتا رہا تو کہیں لوگوں کے سینوں میں محفوظ قرآن کے حافظ کم نہ ہو جائیں۔

بہتر ہے کہ قرآنِ کریم کو ایک جگہ تحریری شکل میں جمع کر دیا جائے۔"

ابتدا میں حضرت ابو بکرؓ نے کچھ تامل کیا، لیکن جب انہیں اس کام کی اہمیت سمجھ آئی تو انہوں نے اس عظیم خدمت کا آغاز کروا دیا۔

یہ ذمہ داری حضرت زید بن ثابتؓ کو دی گئی، جنہوں نے نہایت احتیاط اور تحقیق کے ساتھ قرآنِ کریم کو ایک جگہ جمع کیا۔

اسی عظیم کوشش کی بدولت قرآنِ کریم پوری حفاظت کے ساتھ آج تک محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔

☆☆☆☆☆

استاد کی نصیحت

کہانی ختم ہوئی تو بچوں کی آنکھوں میں حیرت اور عقیدت تھی۔

ایک بچے نے پوچھا:

"استاد جی! کیا جنگِ یمامہ کی سب سے بڑی کامیابی صرف دشمن کی شکست تھی؟"

استاد نے مسکرا کر کہا:

"نہیں، بیٹا! دشمن کی شکست تو ایک کامیابی تھی، لیکن اس جنگ نے مسلمانوں کو یہ احساس بھی دلایا کہ قرآنِ کریم کی حفاظت کتنی ضروری ہے۔

اسی وجہ سے قرآن کو باقاعدہ ایک جگہ جمع کرنے کا عظیم کام شروع ہوا، جس کا فائدہ پوری امت کو ملا۔"

پھر استاد نے کہا:

"ہمیں بھی چاہیے کہ قرآن پڑھیں، اسے سمجھیں، اس پر عمل کریں اور اس کی عزت کریں۔"

تمام بچوں نے عہد کیا کہ وہ روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کریں گے، اس کے معنی سیکھیں گے اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق گزارنے کی کوشش کریں گے۔

☆☆☆☆☆

فقہ کہانی

محمد مستقیم

نیا دوست

’’یہ ڈوگی کتنے کا ہے؟‘‘مس ناز نے پنجرے میں بند ڈوگی کی طرف اشارہ کیا۔

یہ سفید رنگ کا پلّا تھا جسے وہ ڈوگی کہہ رہی تھیں۔

’’جی اٹھائیس ہزار کا۔‘‘سیلز مین نے سعادت مندی سے جواب دیا۔

’’دیکھ لو کامی! ایک بار پھر دیکھ لو، کیا یہ ڈوگی تمھیں پسند ہے؟‘‘

مس ناز نے اپنے نو عمر بیٹے کامی سے دریافت کیا۔

’’مما! میں پہلے بھی تین بار کہہ چکا ہوں کہ مجھے یہی ڈوگی چاہیے۔ یہ میرا فیورٹ ڈوگی ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے، ٹھیک ہے! میں تو صرف اس لیے پوچھ رہی تھی کہ بعد میں تمھیں کوئی شکایت نہ ہو۔‘‘مس ناز نے خدشہ ظاہر کیا۔

’’نو، نو مام! مجھے یہی دلا دیں بس۔‘‘ کامی نے اصرار کیا۔

’’او کے، پلیز یہ ڈوگی ہماری کار تک پہنچا دیں اور یہ لیں پیسے۔‘‘مس ناز نے پیسے دیے۔

’’او کے، شکریہ میم! آپ کی کار کس

طرف؟'' سیلز مین نے پیسے لے لیے اور کار کے بارے میں پوچھا۔

''وہ سامنے پارکنگ میں۔ نمبر ہے ایل ایچ آر 1234 او کے؟'' مس ناز نے مڑ کر تفصیل بتائی۔

''یس میم! میں ابھی آیا۔'' سیلز مین نے کہا۔ تھوڑی دیر بعد کامی اس ڈوگی کو ساتھ لیے اپنے گھر کی طرف اڑا جا رہا تھا۔

وہ ایک امیر گھرانے کا بچہ تھا۔ اسے کتے پالنے کا بے حد شوق تھا۔ آج بھی وہ اپنی پسند کا کتا خریدے خوشی خوشی گھر کی طرف جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

''مام! یہ ڈوگی تو میرے ساتھ اٹیچ ہی نہیں ہو رہا۔'' کامی نے شکوہ کناں لہجے میں کہا۔

''اوہو! ڈوگی، ڈوگی! ہر وقت ڈوگی کی باتیں ہیں، کبھی وہ کھانا نہیں کھا رہا، کبھی تمھاری بات نہیں فالو کر رہا، آخر تمھیں ہو کیا گیا ہے کامی؟'' مس ناز کامی پہ برس پڑیں۔

''مام! میں پہلے ہی دکھی ہوں، اوپر سے آپ نے بھی مجھے ڈانٹ دیا۔'' کامی نے رونی صورت بنا کر شکوہ کیا۔ اس کی آنکھوں سے اشک بہنے لگے تھے۔

''اوہ! سوری ڈیئر کامی! لیکن تم بھی تو سوچو نا، ہر وقت ڈوگی کی رٹ لگائے رکھنا کون سی اچھی بات ہے۔ تمھیں چاہیے کہ اپنی تعلیم پہ توجہ دو! آہستہ آہستہ ڈوگی تم سے مانوس ہو جائے گا۔ اگر تم ہر وقت اس سے چمٹے رہے تو وہ بگڑ بھی سکتا ہے۔'' مس ناز نے اس بار قدرے نرم لہجے میں کہا۔

''او کے مام!'' کامی نے بوجھل لہجے میں کہا اور وہاں سے اٹھ گیا۔

☆☆☆☆☆

''ٹرن ٹرن ٹرن!'' ٹیلی فون کی گھنٹی کافی دیر سے بج رہی تھی۔ مس ناز فائل پہ جھکی اپنا کام نمٹانے میں مصروف تھیں۔ جب گھنٹی بجتی ہی چلی گئی تو مجبوراً انھوں نے کال ریسیو کی۔

''ہیلو ناز بات کر رہی ہوں'' انھوں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''میں نیاز بابا!'' دوسری طرف سے گھریلو ملازم کی آواز تھی۔ اس کی آواز میں لرزش نمایاں تھی۔

''جی بابا بولیں! خیر تو ہے نا؟ میں بس کام ختم کر کے آ رہی ہوں گھر۔'' انھوں نے

تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

’’بیگم صاحبہ! وہ، وہ کامی بیٹے کو۔۔۔‘‘ نیاز بابا اٹک اٹک کر بولے۔

’’یس نیاز بابا! کیا ہوا کامی کو؟ بولیں؟‘‘ مس ناز کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی تھیں۔ ان کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

’’بیگم صاحبہ! وہ کامی بیٹا سکول سے لوٹا تو ڈوگی کو لیے باغ میں چلا گیا اور ڈوگی نے اسے کاٹ لیا۔ ڈرائیور اسے ہاسپٹل میں لے گیا ہے۔‘‘ نیاز بابا نے جلدی جلدی تفصیل بتائی۔

’’کیا! اف میرے خدا! کس ہاسپٹل میں؟‘‘ مس ناز نے سر پکڑتے ہوئے پوچھا۔ ان کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔

’’جی، وہ جناح ہسپتال میں گئے ہیں‘‘ نیاز بابا نے بتایا۔ مس ناز نے یہ سنتے ہی ریسیور پھینکا اور باہر کی طرف بھاگیں۔

ان کا رخ ہاسپٹل کی طرف تھا۔ کامی ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس لیے یہ خبر سنتے ہی وہ صدمے سے نڈھال ہوگئی تھیں۔ وہ جلد از جلد کامی کو دیکھنا چاہتی تھیں۔

☆☆☆☆☆

کامی پر جب ڈوگی نے حملہ کیا تھا تو وہ خوف کی شدت سے خوب چلایا تھا اور اسی خوف کی وجہ سے وہ بے ہوش ہوگیا تھا۔ کتے کے کاٹنے سے کوئی گہرے زخم تو نہیں آئے تھے البتہ خدشہ اس بات کا تھا کہ کہیں کتا زہریلا نہ ہو۔ کیوں کہ شاپ والوں کا کیا اعتبار کہ انہوں نے جانوروں کی ویکسینیشن کرا رکھی ہے یا نہیں؟

اب وہ ہسپتال میں تھا اور ڈاکٹرز اس کا بھرپور خیال کر رہے تھے۔ اس کی امی مس ناز بھی اس کے پاس موجود تھیں۔ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک ڈاکٹر صاحب کچھ رپورٹس لیے اندر داخل ہوئے:

’’السلام علیکم‘‘

’’وعلیکم السلام ڈاکٹر صاحب! رپورٹس کیا ہیں؟‘‘ مس ناز نے بے تابی سے پوچھا۔

ڈاکٹر صاحب مسکرائے اور بولے:

’’پریشانی کی کوئی بات نہیں، عام طور پر ایسے ڈاگز کی ویکسینیشن ہوئی ہوتی ہے، اس لیے وائرس کا خطرہ نہیں ہے، ویسے ہم ٹیسٹ کر کے بھی تسلی کر چکے ہیں۔ آپ اس ڈرپ کے ختم ہونے کے بعد گھر جا سکتے ہیں۔‘‘

''اوہ، شکر خدایا!''مس ناز نے بے اختیار اللہ کا شکر ادا کیا۔ایسے میں دروازہ ایک بار پھر کھلا اور ایک بارعب شخصیت اندر داخل ہوئی۔اس نے بھی ڈاکٹرز والا سفید کوٹ پہن رکھا تھا۔

''سر آپ؟''پہلے والے ڈاکٹر نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں رفیق صاحب، مجھے اس بچے کا بتایا گیا تو میں اس سے ملنے چلا آیا۔''نو وارد ڈاکٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''او کے سر، میم یہ ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ پروفیسر اکبر رحمانی ہیں۔''

ڈاکٹر رفیق نے نو وارد ڈاکٹر صاحب کا مس ناز سے تعارف کرایا۔

''اوہ! شکریہ پروفیسر صاحب! آپ نے زحمت کی۔''

مس ناز حیرت سے بولیں۔کیوں کہ عام طور پر ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ راؤنڈ کم ہی لگاتے ہیں۔پروفیسر اکبر رحمانی صاحب کامی کے بیڈ کے قریب پڑی کرسی پہ بیٹھ گئے اور بولے:

''بچے کیسے ہیں آپ؟''

''ٹھیک ہوں سر!''کامی نے نقاہت بھرے لہجے میں کہا۔

''گڈ!اپنے اعصاب کو مضبوط بنائیں، آپ بالکل ٹھیک ہیں۔''

ڈاکٹر صاحب نے اس کے کندھے کو ہولے سے دبایا تھا۔

''جی شکریہ سر!''کامی دھیرے سے ہنسا۔

''آپ کا نام کیا ہے؟''ڈاکٹر صاحب نے پوچھا۔

''کامران۔''کامی کے لب ہلے۔

''ارے واہ! میرے بیٹے کا نام بھی کامران ہے۔تو کامران بیٹے! کتے پالنا اچھا شوق نہیں ہے۔ہماری تہذیب و شریعت میں بھی اس کی گنجائش نہیں ہے۔ہماری شریعت اور فقہ میں صرف جانوروں اور کھیتی کی حفاظت کے مقاصد کے لیے کتے پالنا جائز ہے،اسی طرح شکار کھیلنے کے لیے بھی سدھایا ہوا کتا رکھا جاسکتا ہے لیکن شوقیہ کتے پالنا اور ان کے ساتھ بلا تفریق میل جول رکھنا درست نہیں ہے۔یہ ہمیں نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں اور ان کی وجہ سے جراثیم

بھی پھیل سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ جس گھر میں بلا ضرورت شوقیہ کتا رکھا گیا ہو وہاں رحمت کے فرشتے بھی نہیں آتے۔'' ڈاکٹر صاحب نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''جی ٹھیک ڈاکٹر صاحب! لیکن میں پھر کسے دوست بناؤں؟'' کامی نے منہ بنایا تو ڈاکٹر صاحب بے اختیار ہنس پڑے، پھر وہ بولے:

''میں آپ کو بتاتا ہوں۔ بلکہ دکھا بھی دیتا ہوں کہ میرے بیٹے نے کسے دوست بنایا ہوا ہے۔ وہ بھی آپ کا ہی ہم عمر ہے۔ یہ دیکھو!''

ڈاکٹر صاحب نے موبائل پہ ایک ویڈیو پلے کی تھی۔ کامی نے دیکھا سکرین پر ایک خوبصورت گھوڑا دکھائی دے رہا تھا۔ ایک بچہ اس گھوڑے کے اوپر بیٹھا تھا جبکہ ایک اور آدمی نے گھوڑے کی باگیں سنبھال رکھی تھیں۔

''واؤ!'' بے اختیار کامی کے منہ سے نکلا۔

''یہ ہوئی نہ بات، کیا آپ کو پسند آیا یہ دوست؟''

ڈاکٹر صاحب نے خوش ہو کر پوچھا۔

''یس سر! میں بھی اب گھوڑا پالوں گا۔'' کامی نے پرجوش لہجے میں کہا۔

''گڈ! لیکن ابھی آپ چھوٹے ہیں تو ابھی آپ نے اس کے ساتھ اکیلے کہیں نہیں جانا، نہ اس پہ سواری کرنی ہے۔'' ڈاکٹر صاحب نے اسے سمجھایا۔

''جی میں سمجھ گیا۔ ویسے آپ کا آئیڈیا پسند آیا۔ اب میں گھوڑے کا پیارا سا بچہ پالوں گا اور اسے اپنا نیا دوست بناؤں گا۔ وہ بھی بڑا ہو جائے گا اور میں بھی، پھر میں اس کی سواری کرنا بھی سیکھوں گا۔''

کامی جب بولنے پہ آیا تو بولتا چلا گیا۔

''کیوں، اب یہ ٹھیک لگ رہا ہے نا؟'' ڈاکٹر صاحب نے مس ناز کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی سر! پہلے سے بھی زیادہ۔''

مس ناز نے کامی کو پیار بھرے انداز میں گھورا اور کامی بے اختیار ہنس پڑا۔

☆☆☆☆☆

دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نُبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

ہم امتحان میں بغیر محنت کے کامیاب ہونا چاہتے ہیں، کوئی طریقہ بتادیں؟؟؟

☆☆☆☆☆

جواب:

اس کا طریقہ سوچ لیں۔ اگر آپ طریقہ سوچنے میں کامیاب ہو گئے تو امتحان میں بلا محنت کامیابی کی گارنٹی ہے۔

☆☆☆☆☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: آجکل بہت شدید گرمی پڑ رہی ہے تو آپ نے گرمی سے بچنے کے لئے اپنے محل میں کیا انتظام کر رکھا ہے؟

☆☆☆☆☆

جواب: ہمارا محل اونچائی پر ہے۔

☆☆☆☆☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: سوال یہ ہے کہ ہم گرمی سے کیسے بچیں کوئی طریقہ تو بتائیں؟ کوئی معجون

یا پھکی ہو جس سے ٹھنڈ لگ جائے؟

☆☆☆☆☆

جواب:

تھوڑی سی ٹائیگر بام چاٹ لیا کریں۔

☆☆☆☆☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: اگر سوال کے جوابات دے دے کر آپ بیمار ہو جائیں تو کیا کرتے ہیں؟

جواب: جواب دینے سے جواب دے دیتا ہوں۔

☆☆☆☆☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: آپ اتنے بڑے عقلمند ہیں کہ دانش کدہ میں ''مسلمان بچے'' کی شان ہیں آپ سے ایک گذارش ہے بچوں کے لیے کچھ قول شول لکھ دیا کریں ناں، یا کوئی اچھی سی کہانی؟

☆☆☆☆☆

جواب: قول شول۔ اچھی کہانی۔

☆☆☆☆☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب! گرمیوں کی چھٹیوں میں کہاں جانا چاہیے؟ کوئی بہت اچھی تجویز دیں۔

☆☆☆☆☆

جواب: مسجد زیادہ جانا چاہیے۔

☆☆☆☆☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: کوئی ایسا سوال بتائیں جس میں حقیقت کا دور دور تک کوئی اتا پتا نہ ہو؟

☆☆☆☆☆

جواب:

اگر گدھا شیر کو کھا کر پیٹرول پی لے تو کیا وہ چیتے کے ساتھ ریس لگا سکتا ہے؟

☆☆☆☆☆

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: آپ کی کوٹھی کے پچھلی جانب یہ ہر وقت چودھویں کا چاند کیوں ہوتا ہے کیا اس کی تاریخیں نہیں بدلتی؟

☆☆☆☆☆

جواب: تازہ تصویر لگاتے ہیں ہر ماہ رسالہ انہی تاریخوں میں تیار ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

محترم بھائی ابوامامہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محرم الحرام کا رسالہ بہت پسند آیا۔

دلوں میں عمل کا جذبہ پیدا کرنے والی تحریریں تھیں۔

مسلمان بچے کی یہی بات سب سے

زیادہ اچھی لگتی ہے کہ یہ صرف پڑھنے کے لیے نہیں بلکہ عمل کرنے کے لیے بھی تیار کیا جاتا ہے۔

اس رسالے کے ذریعے بچوں اور بڑوں کو دین کی ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو روزمرہ زندگی میں کام آتی ہیں۔

قسط وار سلسلوں میں ہمیشہ کی طرح دلچسپی برقرار رہی۔

خصوصاً ہمارے اسلاف اور مسلم ہیروز کے حالات پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ کامیابی صرف محنت، قربانی اور اللہ پر بھروسا کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح اصلاحی مضامین اور سبق آموز کہانیاں بھی بہت پسند آئیں۔ ان تحریروں سے دل کو نئی تازگی ملتی ہے اور اپنی اصلاح کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمان بچے کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے،

اس سے وابستہ تمام لکھاریوں، مدیران اور معاونین کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور انہیں اپنی رضا کے لیے مزید بہترین کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

والسلام

محمد انس معاویہ

☆☆☆☆☆

محترم جناب بھائی ابوامامہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں آپ کے رسالے کی نئی قاریہ ہوں لیکن چند شمارے پڑھنے کے بعد اس کی مداح بن گئی ہوں۔

اس رسالے میں موجود کہانیاں دل کو چھو لینے والی اور مضامین علم میں اضافہ کرنے والے ہیں۔

اس شمارے میں شامل تحریروں نے بہت متاثر کیا۔

رسالے کی خوبصورت پیشکش، معیاری مواد اور دینی ماحول اسے دوسرے رسائل سے ممتاز بناتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کے ادارے، لکھاریوں اور معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

والسلام

حافظہ ادیبہ

☆☆☆☆☆

محترم جناب بھائی ابوامامہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ذوالحجہ کا خصوصی شمارہ دیکھ کر دل خوشی سے بھر گیا۔

سرورق کی خوبصورتی، مضامین کا انتخاب اور مجموعی ترتیب اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ ادارتی ٹیم اپنے کام سے مخلص ہے۔

رسالے کے صفحات پر نظر دوڑائی تو محسوس ہوا کہ ہر عنوان سوچ سمجھ کر منتخب کیا گیا ہے۔

الجھن کی سلجھن، نیا اسلامی سال، ضروری سامان، خوفناک جیل، لہو رنگ داستان، سنت کہانی، طلب علم کی عظیم داستانیں، جیسے دلکش عنوانات شمارے کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

ان تمام تحریروں کے مصنفین یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں جنہوں نے اپنی علمی اور ادبی صلاحیتوں سے رسالے کے معیار کو

بلند کیا ہے۔

مجھے یہ بات بہت پسند آئی کہ رسالہ ہر عمر کے قارئین کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔

نوجوان، بچے اور بڑے سب اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ ادارتی ٹیم کی محنت ہر صفحے سے جھلکتی ہے اور یہی محنت اس رسالے کو دیگر رسائل سے ممتاز بناتی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کی کاوشوں میں مزید برکت عطا فرمائے اور ماہنامہ مسلم بچے کو ترقی کی نئی منزلوں سے ہمکنار کرے۔

والسلام

ہمشیرہ محمد احمد

☆☆☆☆☆

محترم جناب بھائی ابو امامہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محرم الحرام کا شمارہ پڑھنے کا موقع ملا۔ دل کی گہرائیوں سے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوں کہ آپ کا رسالہ اپنے معیار، خوبصورتی، علمی وقعت اور اصلاحی مواد کے اعتبار سے اردو کے بہترین رسائل میں شمار ہونے کا حق رکھتا ہے۔

سرورق پر محرم الحرام کی مناسبت سے پیش کیا گیا خوبصورت منظر اور نیا اسلامی سال کا عنوان دل کو بہت بھایا۔

اس شمارے میں شامل سنت کہانی نے ایمان تازہ کر دیا۔ مضمون نگار نے جس محبت اور عقیدت سے یہ کہانی لکھی ہے وہ قابل ستائش ہیں۔

اسی طرح انجان دوست ایک نہایت مؤثر اور سبق آموز تحریر ہے۔

نیا اسلامی سال پڑھ کر دل خوش ہوا وراس کہانی کی برکت سے مجھے بھی یاد آیا کہ اسلامی سال ختم ہو گیا ہے آج کے دور میں نیا سال جب ختم ہوتا ہے تو خوب آتش گیری ہوتی ہے اور سب کو پتا لگتا ہے کہ نیا سال شروع ہو گیا ہے لیکن اسلامی سال خاموشی سے گزر جاتا ہے ہمیں انگریزی سال یاد رہتا ہے نا کہ اسلامی سال مسلمان بچے کے تمام قارئین کو نیا اسلامی سال مبارک ہو۔

اللہ پاک سب کو اس سال اچھے کام کرنے کی توفیق دے اور اسلامی سال منانے کا کوئی خاص طریقہ نہیں ہوتا ہے بس چاند رات کے معمولات کریں اور دو رکعت نماز ادا کریں اور دعا کریں کہ اللہ

پاک ہمارا یہ سال دین کے کام میں گزار دے۔آمین

میں نے ایک کہانی بھی بھیجی ہے۔ اسے ضرور اشاعت کا موقع دیجئے گا۔

جزاکم اللہ خیرا

ضروری سامان ، خوفناک جیل، لہورنگ داستان،سنت کہانی،طلب علم کی عظیم داستانیں،یہ سب کہانیاں بہت ہی عمدہ تھیں۔

میں تمام مصنفین، مدیر صاحب، پروف ریڈرز، کمپوزرز اور رسالے کی اشاعت سے وابستہ ہر فرد کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اتنا معیاری اور متوازن مواد تیار کرنا آسان کام نہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کی محنت کو قبول فرمائے اور ماہنامہ مسلم بچے کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

والسلام

محمد حذیفہ سلیم

☆☆☆☆☆

محترم جناب بھائی ابوامامہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماشاء اللہ اس ماہ کا رسالہ مجھے ملا اور اس کو دیکھ کر ہمیشہ کی طرح بہت خوشی ہوئی خاص کر اس کا جو ٹائٹل ہے وہ دیکھ کر ہی دل خوش ہو جاتا ہے۔

اس کی بناوٹ اور اس پہ لکھی ہوئی کہانیوں کے عنوانات دل کرتا ہے اس کو پڑھنے کا یہی عنوانات ہی اس رسالے کی طرف ہمیں کھینچتے ہیں اور میں خود اس رسالے کا 8 سال سے قاری ہوں.

اللہ پاک اس رسالے کو مزید ترقی دے مزید کامیابی دے اور خاص کر جو اس میں لکھنے والے ہیں اللہ پاک ان کو اور لکھنے کی توفیق دے اور اسی طرح وہ بچوں کو قران سے اسلام سے اور ہمارے پرانے مسلم ہیروز سے ان سب سے جڑے رہیں۔

کیونکہ آج کل کا جو دور ہے وہ دور ہی اتنا خراب ہے کہ بچوں کو ڈر لگتا ہے کوئی رسالہ ہاتھ میں دینے سے یا کوئی کہانی پڑھنے سے کہ اس کہانی میں کچھ نہ کچھ ایسا ہوگا جو بچوں کا ذہن خراب کرسکتا ہے۔

لیکن ماشاء اللہ سے اس مسلمان بچے رسالے کا میں خود قاری ہوں تو آنکھ بند کر

کے یقین ہوتا ہے اس رسالے پر اور اپنے بچوں کو دینے سے پہلے کوئی گھبراہٹ نہیں ہوتی کہ بچے پڑھیں گے اور اس سے سیکھیں گے۔

یہ واحد وہ رسالہ جو صرف سکھاتا ہے بچوں کو آج کے اس جدید دور کے اندر جہاں بچے کارٹون میں لگے ہوئے ہیں اس پہ بھی بہت سی الٹی چیزیں سیکھ جاتے ہیں۔

اگر یہ رسالہ ہر گھر میں ہر بچہ پڑھے تو مجھے نہیں لگتا کہ وہ کارٹون کی طرف جائے گا وہ اسی رسالے کو پڑھے گا اور اسی رسالے کا بار بار ذکر کرے گا سکول جائے گا تو اور بچوں کو بھی بتائے گا اس سے اور بچے بھی اس رسالے کی طرف مائل ہوں گے، اور میری دعا ہے کہ پاکستان کا ہر بچہ اس رسالے کی طرف مائل ہو اور اس رسالے کو پڑھے اسلام سے جڑے دین سے جڑے اس وقت جو حالات ہیں اس میں بچوں کو دین کی طرف لانا بہت مشکل کام ہے۔

اگر وہ یہ رسالہ پڑھ کر دین کی طرف آتے ہیں تو ماں باپ کے لیے بھی ایک بہت بڑی خوشی کی بات ہے اور ہر ماں باپ کی دعا آپ کے رسالے کے ساتھ ہے اللہ پاک اس کو بنانے والے اس میں لکھنے والے ان سب کو اور جس ادارے سے یہ آتا ہے اس ادارے کو اپنی حفاظت میں رکھیں اپنے حفظ و امان میں رکھے اللہ پاک اس سے رسالے کو مزید ترقیاں دے کہ اس رسالے کو پاکستان کا ہر ہر بچہ پڑھے جو نہیں پڑھ سکتا وہ سنے ماں باپ کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو سنائیں جو نہیں پڑھ سکتے جو پڑھنے لائق ہیں جو پڑھ سکتے ہیں وہ خود رسالہ پڑھیں ماں باپ کو میری دل سے گزارش ہے اور ضروری گزارش ہے کہ اپنے بچوں کی رسالہ لازمی پڑھائیں۔

اس رسالے میں جو کہانیاں ہیں ان سے ان کو اگر سبق ملتا ہے تو اس سے آپ کا بھی فائدہ ہے آپ کے بچے دین کی طرف آئیں گے آپ کو آگے جا کے تنگ ہونے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

تو جتنے بھی ماں باپ ہیں جن کے بچے پانچ سے چھ سال کی ہیں پانچ سال سے اوپر اوپر کے ہیں ان کو چاہیے کہ ان کو یہ کہانیاں پڑھ پڑھ کے سنائیں اللہ پاک اس

رسالے کو ترقی دے اللہ پاک اس ادارے کو ترقی دے میری دل سے دعا ہے ہر وقت دعا ہے اللہ پاک ایسے ہی سے اسے قائم و دائم رکھے ۔جزاک اللہ

والسلام

محمد اسامہ

☆☆☆☆☆

محترم مکرم مدیر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

اس رب کائنات کی حمد و ثنا سے ابتدا کرتی ہوں جس کی حمد ثنا کی انتہا نہیں۔

اس مالک کا لاکھوں شکر جس نے ہمیں اشرف المخلوقات کے ساتھ ساتھ دوسرا سب بڑا اور اہم افضل اونچا احسان یہ فرمایا کہ ہمیں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیدا فرمایا، انبیاء علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہونے کی دعائیں مانگی لیکن ہمیں یہ عظیم نعمت احسان بن مانگے عطا ہوئی جتنا شکر اس پر ادا کریں وہ کم ہے۔

مدیر صاحب! میں اس رسالہ کی قدیم قاریہ ہوں۔ اس کی جتنی بھی تعریف کروں وہ کم ہے۔ یہ مجلہ ایک عظیم بلند ستارہ کے مانند لگتا ہے جو کوئی اس کو پڑھتا ہے یا جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس پر اس کا اثر ضرور ہوتا ہے۔

اس ماہ کا رسالہ ملا بہت ہی اچھا تھا اس کو دیکھ کر ہی اتنا اچھا لگا تو پڑھنے میں تو اور بھی اچھا لگنا تھا ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی بہت ہی عمدہ کہانیاں ہیں اس راسالے میں ایک قسط وار اچھی سی کہانی ہونی چاہئے جو مزیدار ہو جیسے جانباز تھی اسی طرح کی ایک کہانی ہونا ضروری ہے۔

میں نے خطوط میں دیکھا کہ لوگوں نے کہا ہوا ہے کہ اس طرح کی کوئی نہ کوئی کہانی ہونا ضروری ہے تو امید ہے اس پر کام چل رہا ہوگا اور ہمیں اگلے شمارے تک کوئی ایسی قسط وار اور دلچسپ قسم کی کہانی پڑھنے کو ملے گی۔

آپ سب سے دعاؤں کی خصوصی درخواست ہے۔

والسلام

عائشہ حفیظ

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆